188448

OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY

Call No. ۹۵۴۶۰۱ Accession No. ۶۲۴۵۰

Author ع ر - ۱ غلام ربانی

Title امپیریل گزیٹر آف انڈیا

This book should be returned on or before the date last marked below.

سلسلۂ نصابات علمیہ جامعۂ عثمانیہ

(بی۔اے کے لیئے)

امپیریل گزیٹیر آف انڈیا

جلد دوم

باب (۸) و باب (۹)

یعنے

(شمالی ہند قرون وسطیٰ کی تاریخ اور جنوبی ہند کے ہندوؤں کا زمانہ)

مترجمہ
مولوی سید غلام ربّانی صاحب
(انجمن ترقی اُردو۔ اورنگ آباد)

سنہ ۱۳۴۱ھ م سنہ ۱۳۳۲ف م سنہ ۱۹۲۳ء

دارالطبع جامعۂ عثمانیہ سرکارِ عالی حیدرآباد دکن

یہ کتاب گورنمنٹ آف انڈیا کی اجازت سے
طبع کی گئی ہے۔

فہرستِ مضامین

	از صفحہ	تا
۱۔ باب ۸۔ شمالی ہند، قرون وسطیٰ کی تاریخ	۱	״
۲۔ باب ۹۔ جنوبی ہندوستان کے ہندوؤں کا زمانہ	۲۶	״
۳۔ ضمیمہ متعلق باب ۸، ماخذ	۱	״

باب (۸)

شمالی ہند، قرونِ وسطیٰ کی تاریخ

ہندوؤں کا عہد، ۶۵۰ - ۱۲۰۰ء

اس عہد کی عام خصوصیات

ہندوستان کی قدیم تاریخ بالکل دو ممیز قوموں یعنے قدیم باشندوں (جن کا بڑا حصہ دراوڑی لوگ تھے) اور آریاؤں کی آمیزش کی تاریخ ہے، عہد وید میں وہ ایک دوسرے کی سخت مخالف تھیں۔ اس کے بعد دوسرے عہد میں ان میں باہم میل جول پیدا ہوا۔ اور چونکہ یہ اتحاد و آمیزش بودھ مذہب میں زیادہ نمایاں ہے اس لیے اس کو بعض مورخ عہد بودھیہ کہتے ہیں تیسرا عہد وہ ہے جب کہ دونوں قومیں باہم شیروشکر ہوگئیں اور قدیم ہندی عنصر آریائی تہذیب و تمدن میں ڈھل کر غالب ہوگیا یہ جدید ہندومت (New Hinduism) کا زمانہ ہے جو ساتویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے، خاندان گپت نے اس انقلاب کا راستہ تیار کیا اور گورے ہنوں نے اس کی رفتار میں تیزی پیدا کردی، جب ہرش مرگیا تو چھوٹے راجاؤں کا کوئی سردھرا نہ رہا اور شمالی ہند انحطاط و ابتری کی حالت میں جا پڑا۔ جو تین سو برس (۶۵۰ - ۹۵۰ء) تک طاری رہی، دسویں صدی کے وسط میں بہت سی پائدار ریاستیں وجود میں آگئیں اور یہ حالت عروج میں تھیں کہ اسلامی حملہ (۱۱۹۲ء) نے انھیں درہم برہم کردیا۔

عہد متوسط کی تاریخ یورپ سے مماثلت

شمالی ہند کے اس عہد کی تاریخ یورپ کی متعہد تاریخ کے ساتھ ایک قریبی مماثلت رکھتی ہے، دونوں ملکوں پر غیر اقوام کی یورش سے ازمنۂ مُظلمہ کا دور شروع ہوا۔ دونوں کو ایک ہی چیز سے سابقہ تھا یعنے ان کی آبادی کے مختلف عناصر آپس میں مخلوط ہو رہے تھے اور دسویں صدی میں دونوں جگہ ایک نئی سوسائٹی کی بنیاد نمودار ہوئی، علاوہ بریں دشمن بھی دونوں کے ایک ہی تھے اسی زمانے میں کہ سرقینین (Saracens) سسلی اور اسپین پر مسلط ہوئے عربوں نے سندھ اور ملتان پر (۷۱۲ء) میں قبضہ کیا اور سلاجقہ کی دولت بائزن ٹائن کی سرحد پر اکونی اَم (قونیہ) میں قائم ہونے سے کچھ ہی عرصہ پہلے محمود نے مغربی پنجاب کو سلطنت غزنی سے ملحق کر لیا لیکن باوجود اس مماثلت کے دونوں ملکوں میں اختلاف بھی بہت بڑا تھا، یورپ میں نظام جاگیری اور پوپ کی حکومت کا دور دورہ تھا، ہندوستان میں جدید ہندومت اور راجپوتوں کا زور تھا، بیرونی دشمنوں کے حملوں سے یورپ میں ایک معمولی بات تھی۔ مگر ہندوستان
میں یہ ایک عجیب چیز معلوم ہوتی تھی چھٹی صدی قبل مسیح سے چھٹی صدی (۳۴۳)
عیسوی تک ایرانی، مقدونوی، ہندی سیتھی، پارتھوی اور گورے ہنوں کا شمالی ہند میں تانتا سا بندھ گیا تھا لیکن سات سے بارھویں صدی عیسوی تک ملک مقابلتہً بیرونی حملوں سے آزاد رہا اور عجیب واقعہ ہے کہ اس زمانے میں اس کی قسمت کی تکوین خود اس کے ہاتھ میں رہی؛

تاریخ کے ماخذ

قرون وسطیٰ کی ابتدائی تین صدیوں کے حالات بہت کم ملتے ہیں اور مجبوراً ہمیں روایات پر تکیہ کرنا پڑتا ہے سکّے اور کتبے جو صحیح معلومات کے خاص ذریعے ہیں۔ دسویں صدی سے کثرت کے ساتھ ملتے ہیں، سکّے بہت ہی بے قاعدہ طور پر پائے جاتے ہیں، الہ آباد کے مشرق میں تو وہ گویا عنقا ہیں، کتبات زیادہ تر مندروں سے حاصل کیے گئے ہیں یا تانبے کے

پتھروں سے جن پر عطیات اراضی درج تھے جن مقامات میں مسلمان مستقل طور سے آباد ہو گئے وہاں قدیم مندر تباہ کر دیئے گئے اور وہ راجپوتانہ سے باہر بہت کم دکھائی دیتے ہیں، عطیات کے پتر زیادہ دور تک پھیلے ہوئے ہیں یہ ڈھائی سو کے قریب معلوم ہو چکے ہیں اور گجرات، راجپوتانہ، ریوا، مگدھ اور بنارس کی نواح میں بہت عام ہیں۔ ان ماخذوں کے علاوہ ہمارے پاس کشمیر کی ایک پاکیزہ و منظوم تاریخ "راج ترنگنی" موجود ہے جسے ۱۱۵۰ء میں کلہنا برہمن نے تصنیف کیا تھا، اور ایک تاریخ گجرات بھی ہے جو اس زمانے کے جین سادھو ہیم چندر کی تالیف ہے، پرتھی راج راسو کی ۶۹ جلدیں جن کو چاند شاعر سے منسوب کیا جاتا ہے اور جن میں چوہان خاندان کے آخری اور سب سے زبردست راجہ کا حال مذکور ہے کسی قدر بعد کی تصنیف ہے اگرچہ اس میں بہت سی قیمتی روایات موجود ہیں جو

۱۔ بدعملی (۶۵۰-۹۵۰ء)

مگدھ کا زوال اور اصلی باشندوں کا دوبارہ عروج

خاندان موریہ کے عہد میں اودھ اور بہار آراستہ اقوام سے آباد تھے اور مگدھ ہندی تہذیب کا مرکز تھا لیکن سلطنت مگدھ کی دولت اور طاقت تیسری صدی کے قبل سے زوال پذیر ہو گئی تھی، اور جبکہ گپت راجاؤں نے اپنے دار السلطنت کو مغربی جانب دوآبہ اور مالوے کی طرف ہٹا لیا تو مشرقی ہند کا بہت بڑا حصہ اصلی باشندوں کے قبضے میں چلا گیا اور ان کے اس دوبارہ غلبے سے ان اضلاع میں پھر قدیم جنگل وسیع ہو گیا قدیم دار الحکومت برباد ہو گئی اور ہمالیہ سے بنارس کی نواح تک جنگل چھا گیا اودھ کے شمالی حصے میں بن تھا، گنگا کے جنوب میں بہار سے ریوا تک ایک اور عظیم الشان بن پھیل گیا اور شمالی دوآبہ اور تھانیسر کی نواح میں مشہور جنگل پیدا ہو گئے۔

مغرب میں آریاؤں کا زوال

آریائی عنصر مغرب میں بھی مغلوب ہو گیا، ہند کی

سیتھین قوم نے پشاور سے متھرا تک اپنی ایک سلطنت قائم کی اور پارتھوی
(۳۰۵) گجرات اور سندھ کے زیریں حصے پر حکومت کرنے لگے۔ جب یہ غیر ملکی آبادیوں کے ساتھ مخلوط ہو رہے تھے تو گوروں سے ہن وارد ہوئے اور اُنھوں نے ہندوستان کو پریشانی و ابتری میں ڈال دیا تا آنکہ یشودھرمن نے ان کو شکست دی اور اس کے جانشینوں نے کچھ عرصے تک ایک مشکوک سی سیادت قائم رکھی لیکن ہرش وردھن کی فتوحات قدیم راج کی آخری کوششیں تھیں۔ اس طرح آریائی عنصر جو مشرق میں دب گیا تھا اور مغرب میں مغلوب ہو گیا تھا زیادہ تر دوآبہ اور مشرقی پنجاب میں محدود ہو گیا اور شمالی ہند کے صرف یہی وہ قطعے تھے جنھیں ابھی تک شیرازہ بندی اور یکجا آبادی نصیب تھی۔

غیر آریائی اقوام کی تہذیب و خصائل

برسر اقتدار فرقے خواہ وہ ملکی ہوتے یا غیر ملکی اکثر کثیر التعداد ہوتے تھے اور ان کی آبادیاں ملک کے ایک وسیع رقبے پر پھیلی ہوئی تھیں اور کچھ یہ بات نہ تھی کہ وہ مطلق مہذب و شائستہ نہ تھے۔ ان کے بے شمار قلعوں کے کھنڈر اس وقت تک موجود ہیں۔ وہ بے شمار چھوٹے چھوٹے فرقوں میں منقسم تھے۔ جو آپس میں مسلسل جنگ رکھتے تھے اور ان کے طور طریق اصلی آریا نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ وہ شجاع خوش باش لیکن کم فہم اور شرابی تھے اور شاذ و نادر موقعوں پر جب کبھی وہ باہم متحد ہو جاتے تو بہت خوفناک بن جاتے تھے۔ وہ راجپوتوں کے حلیف و محافظ بھی تھے اور ان کے ہاتھوں سے پامال بھی ہوئے۔ اُنھوں نے بار بار اسلامی لشکروں کو شکستیں دیں اور سولھویں صدی تک نہ وہ ان کے مطیع ہوئے اور نہ ان میں بالکل جذب ہوئے لیکن وہ کوئی سیاسی اتحاد قائم نہیں کر سکتے تھے۔ صرف گوجروں نے جو غالباً ہنی نسل کا ایک جداگانہ فرقہ تھا پنجاب، وسط راجپوتانہ اور گجرات میں متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستوں کی بنیاد ڈالی لیکن سوائے ایک ریاست کے ان میں کوئی بھی دسویں صدی کے بعد باقی نہیں رہی۔

جدید ہندومت ہندوؤں میں ان ملکی اور غیر ملکی گروہوں کا جذب و اتصال جدید ہندومت کی بدولت عمل میں آیا اور زیادہ تر ساتویں اور گیارھویں صدی کے درمیان تکمیل کو پہنچا اور تکمیل بھی ایسی ہوئی کہ اب ہم تمام شمالی ہند میں ایک ہی قسم کی ہندو آبادی پاتے ہیں جو مذہب شائستگی اور خون میں تقریباً ایک ہے اور ادنیٰ فرقوں سے جو اب تک صرف دامن تہذیب کے گرد چکر لگا رہے ہیں، بالکل جداگانہ ہے، اس عمل میں تین چیزوں کا ہاتھ تھا یعنے سیاست معاشرت اور مذہب۔

مذہبی تحریک مذہبی تحریک نے یا تو رائج اور غیر آریائی عقائد کو یا محض آریائی عقائد کو اپنی جگہ دیدی۔

(الف) آریائی قبائل کا ویدی مذہب پر ہمیشہ سے بلا اشتراک قبضہ رہا ہے اور ویدوں کا علم کسی غیر شخص تک پہنچانا ایک گناہ تھا، دوسری طرف قدیم الایام سے شوا اور کرشن دونوں اوتار دراوڑی اقوام میں مقبول ہو چکے تھے، ایک عمل سے جس کا اب ہم پورے طور پر پتہ نہیں لگا سکتے، شو نے (جس کو یونانی ہرکلیز بتاتے ہیں گویا شاید انہیں لکھتے) تمام بڑے بڑے قدیم ملکی
(۳۰۶) دیوتاؤں اور ان کے ساتھ ویدی دیوتا رودرا اور شیاطین طوفان کو بھی اپنے آپ میں جذب کر لیا، کرشن غروب آفتاب کے سانولے دیوتا کو یونانی ڈایونی سوس یا پان بتاتے ہیں، اور وہ ڈایونی سوس کے مانند نہ صرف پاتال کا دیوتا تھا بلکہ رقص، موسیقی، محبت اور تخلیق کا دیوتا بھی تھا، وہ برہمنوں کے عقائد میں داخل ہونے کے بعد آریائی وشنو کے ساتھ ملا دیا گیا جو ایک گمنام شمسی دیوتا تھا اور جس نے کرشن کے متعلق تمام وسیع "فطری روایات" کو اپنے آپ میں جذب کر لیا اور کرشن کو صرف ایک مقبول ہیرو اور محبت کے دیوتا کی حیثیت سے چھوڑ دیا، تمام قدیم اور ملک کے اصلی دیوتاؤں نے شوا اور وشنو کے بے شمار چھوٹے اوتاروں کے ان بڑے دیوتاؤں کے سائے میں پناہ لی اس طرح سے جدید ہندومت نے شو اور وشنو کی توحید کو ایک وسیع بت پرستی کے ساتھ متحد کرنے کی کوشش

کی اور ان شخصی دیوتاؤں نے ویدوں کے صوفیانہ مسئلہ ہمہ اوست کی جگہ حاصل کر لی۔

(ب) ویدی مذہب قربانیوں کے ایک پیچیدہ نظام اور معرفت کی تعلیم میں ختم ہو گیا تھا اور ان دونوں پر برہمنوں کا قبضہ تھا، دوسرے عام مذاہب نے ان عقائد کی جگہ عبادت اور پرستش رکھی اور ساتویں صدی سے برہمنی قربانیاں متروک ہو گئیں لیکن اس سے برہمنوں کی حیثیت میں بھی ایک تبدیلی واقع ہو گئی۔ اس وقت تک وہ اپنی کرامات اور صوفیانہ خیالات یا علم حاضرات کے باعث واجب التعظیم سمجھے جاتے تھے اب چونکہ انھوں نے اول طبقے کے دیوتاؤں کے پوجاری ہونے سے انکار کر دیا تھا اس لیے لوگ خود ان کو دیوتاؤں کی طرح قابل احترام ماننے لگے۔ جدید ہندو مت کا آخری کارنامہ یہ تھا کہ اس نے ایک وسیع اور عام فہم لٹریچر پیدا کیا جن میں ہر طبقے کے لوگوں کی تصانیف شامل تھیں، وہ نہ دائرۂ علما تک محدود تھا اور نہ ایک عالمانہ زبان کی تاریکی میں پوشیدہ تھا۔ مہابھارت اور رامائن کی جلیل القدر نظمیں جن میں بہت سے واقعات ایک مرکزی واقعے سے وابستہ ہیں اور مجموعۂ علوم کتب پُران، جو ڈراما نویس اور راویوں کے زبانی ترجموں کی بدولت مقبولیت حاصل کر چکی تھیں، جدید مذہب کی نصابی کتابیں قرار دی گئیں۔ زیارت اور جاتراؤں کی موثر رسوم اور بڑے بڑے دریاؤں خصوصاً گنگا اور جمنا کا اعتقاد بھی عوام کو اپنی طرف مائل کر رہا تھا۔

قرون متوسطہ میں ذات پات کی ابتدا۔ جدید ہندو مت کا ارتقا بہ حیثیت مذہب کے زیادہ تر گپتوی دور نے پیدا کیا تھا لیکن یہ ملکی اور غیر ملکی مذہبی عناصر کا عروج تھا جس نے ویدی افسانیات (میتھولوجی) اور قدیم نظام قربانی کا یکایک خاتمہ کر دیا، اس کے برخلاف وہ تغیر، جس نے ذات پات کی نوعیت پر اثر ڈالا، قرون وسطیٰ کا کام تھا، ذات کی تاریخ نہایت تاریکی میں ہے اور اس کا بڑا حصہ بہت کچھ متنازعہ فیہ ہے لیکن اس کا خاکہ حسب ذیل کھینچا جا سکتا ہے: آریائی

اور دراوڑی دونوں اقوام کے ابتدائی آئین د قوانین قبائلی تھے لیکن آریا اپنے
کفو سے باہر شادی کرتے تھے حتیٰ کہ وہ اصلی باشندوں کی اسیر عورتوں سے
بھی شادی کر لیتے تھے اور دراوڑی اپنے کفو میں شادی کرتے تھے اور
اگرچہ وہ اپنے گاؤں سے باہر شادی کر لیتے تھے لیکن کرتے اپنے (۳۰۷)
قبیلے ہی میں تھے، ذات قبیلے کے بندشوں کو توڑ دیتی ہے اور اس کے
بانی آریا لوگ ہیں، چونکہ انھیں اپنے نسب و خاندان، اپنے رنگ روپ،
اعلیٰ تہذیب و تمدن اور عاملان وید ہونے پر فخر تھا اس لیئے انھوں نے
اپنا لقب دوجنمار کھا، ملک کے اصلی باشندے جن کو انھوں نے اپنے
ساتھ رہنے کی اجازت دے دی تھی شودر کہلانے لگے، ان کے بعد
"ناگفتہ بہ" وحشی قبائل کا درجہ تھا، جس فخر نے ان کو دوجنمی کے حقوق کا مدعی
کر دیا تھا اُس نے اہلِ سیف اور پیشوایانِ دین کے دو علٰحدہ علٰحدہ طبقات
امرائیہ بھی پیدا کر دیئے، برہمن، کشتری، ویش اور شودروں کی یہ چار رنگا رنگ
ذاتیں ساتویں صدی تک نہ صرف صحیح و سالم بلکہ زیر عمل بھی رہیں، اس کے
بعد ایک نئی تقسیم وجود میں آجاتی ہے، دوجنمی آریاؤں اور دراوڑی شودروں
کے بجائے اب ایک گروہ پاک اور دوسرا ناپاک کہلانے لگا، خاندان، غذا
اور پیشے کی پاکی نئی سوسائٹی کا معیار بنا دی گئی اور وہ معیار جس کے ذریعے سے
اس نئی سوسائٹی کا اندازہ لگایا جاتا تھا سلطنتِ قنوج کا معیار تھا، قنوج
کے برہمنوں کو راجہ گجرات، بنگال اور اُڈیسہ میں بلاتے تھے تاکہ وہ ان کی
رعایا کی وحشیانہ رسوم کی اصلاح کریں، قنوج اور دوآبہ یعنی مشہور "درمیانی
ملک" سے جسقدر ہم مشرق اور مغرب کی جانب بڑھتے ہیں اسی قدر ذاتوں کا
درجہ گھٹتا جاتا ہے خواہ ان کو کسی نام سے پکارا جائے ۔

قبیلے سے ذات کی طرف رجوع

جس طریق عمل نے قبائل کی شاخوں کو اور زیادہ تقسیم کر دیا
اُس کا عمل آج تک جاری ہے، ہندوستان کے اصلی
باشندوں کے اعلیٰ طبقوں نے ہندوؤں کی اعلیٰ
تہذیب و تمدن کی کشش اور سنیاسی برہمنوں یا معلمین خانہ بدوش کی تعلیم

کے سبب سے اپنے آپ کو ادنیٰ طبقوں سے جدا کر لیا اور ہند و معاشرت کی تقلید کر کے ذات پات کا درجہ قائم کر لیا۔ برہمنوں نے ان کے لیے افسانوں کی بنیاد پر ایک شجرۂ نسب تیار کیا اور پھر وہ کسی نہ کسی ہند و فرقے کا ایک جزو لاینفک سمجھے جانے لگے۔ یہ صورت بار بار وجود میں آئی یہاں تک کہ نہایت ہی ادنیٰ درجے کے لوگ باقی رہ گئے اور ان کی حالت غلاموں کی سی بنا دی گئی۔ یہ تغیر راجاؤں کی زیر نگرانی عمل میں آیا جو برہمنوں کی ہدایت پر چلتے تھے اور صرف تفوق و عظمت بلکہ ذات پات کا سرچشمہ بھی بن گئے تھے۔ لیکن اس تبدیلی سے یہ مطلب نہیں ہے کہ دراوڑی اقوام کی قدیم رسم شادی (اندرون کفو) بالکل متروک ہو گئی ہو۔ اس کا انحصار وقت اور حالات پر موقوف تھا۔ آریوں کی قدیم غیر کفوی شادی کے جواز کی وجہ سے لوگوں کو ہمیشہ اس بات کی اجازت تھی کہ وہ خاص خاص حالتوں میں کم درجے کی عورتوں سے شادی کر لیں۔ اور جوں جوں نئی سوسائٹی کے اعلیٰ طبقوں میں آریائی اثر غالب آتا گیا لوگوں میں غیر کفوی شادی کا رجحان بڑھتا گیا۔ تمام قرون وسطیٰ میں غیر کفوی شادیوں کی آزادی ایک خاص حد تک پائی جاتی تھی۔ اور بعض مقامات میں یہ آج کل بھی موجود ہے۔ اسی طریق سے جو نئی سوسائٹی پیدا ہوئی وہ تمام تر پیشوں کی بنا پر منحصر تھی۔ ذات جس قدر اونچی ہوتی اسی قدر بے شمار اور معزز پیشے اس کے لیے کھلے ہوتے تھے۔ پیشوں کی تقسیم قوی تقسیم پر ۱۲
اس قدر کامل طور سے غالب آ گئی کہ برہمنوں میں بھی ہمکو ایسے گوت نظر آتے ہیں جو محض اپنے مذہبی پیشوں کی بدولت برہمنی احترام کے مستحق ہوتے تھے ورنہ نہیں۔ برخلاف اس کے نیچی ذاتوں میں کفوی شادی اور واحد پیشہ برادری قائم رہی ان کے حقوق موروثی اور ان کی حکومت برادری کی تھی۔

راجپوت — بس ساتویں اور دسویں صدی کے درمیان قدیم نسلی تقسیمیں نابود ہو گئیں اور ایک نئی تقسیم پیدا ہوئی جس کی بنیاد مرتبے اور پیشے پر تھی لیکن قدیم تقسیموں میں سے برہمن اور کشتری کی دو ذاتیں کم از کم

اصولاً باقی رہیں۔ آریا کشتری مدتوں سے جنگجو نہیں رہا تھا، وہ اکثر فلسفہ یا مابعد الطبیعات
میں ممتاز ہوتا تھا اور ایک عام روایات کے مطابق برہمنوں سے بحث مباحثہ
کرنے کی وجہ سے اس کی تمام قوم کا استیصال کر دیا گیا تھا، لیکن اصولاً
اب تک یہ مانا جاتا تھا کہ حکومت کرنا کشتری ہی کا کام ہے اور ساتویں صدی
تک بالعموم کشتری راجہ فرماں روائی کرتے رہے اگرچہ ان میں سے بہت سے
غالباً شودر کشتری تھے یا اوسنہ کے ترکی فرماں رواؤں کے مانند ہندو ہی
تھے قرون وسطیٰ میں ان کشتریوں کی جگہ راجپوتوں (راجاؤں کے بیٹے)
کے قبیلوں نے لی جن کو لوگ ٹھاکر یعنی سردار کہتے تھے۔ راجپوتوں کے
عروج سے اس زمانے کی تمام سیاسی تاریخ کا دار و مدار ان پر ہو گیا۔ ہر ایک
قبیلہ جس کو بادشاہی اختیار یا عرصے سے مقامی حکومت حاصل تھی ان سے
مل گیا، راجپوت اپنی تلوار کے سوا کسی سند حقوق کو تسلیم نہیں کرتے تھے
اور برابر نو آبادیوں کی تلاش میں رہتے تھے دریائے سندھ سے
بہار تک وہ ہر جگہ پائے جاتے ہیں لیکن ان کا اصلی وطن راجپوتانہ اور
جنوب اودھ دو ممالک تھے، وہ اول اول آٹھویں اور نویں صدی میں نمودار
ہوئے بہت سے بڑے بڑے قبیلوں نے سنہ ۸۵۰ء کے درمیان ان علاقوں
پر قبضہ کر لیا جن میں ان کو آئندہ حکومت کرنی تھی۔ راجپوتانہ کی طرف
سے وہ پنجاب میں داخل ہوئے اور دسویں صدی میں کشمیر جا پہنچے، انہی
ایام میں وہ جنوب اودھ شمال اور شرق کی طرف پھیل گئے اور بارھویں اور
تیرھویں صدی کے دوران میں وہ وسط ہمالیہ پر قابض ہو گئے" ان کی اصلیت
ایک متنازعہ فیہ موضوع ہے، ان کے قبیلوں میں سے کوئی بھی دوآب کا اصلی
باشندہ نہیں ہے، اس وقت قنوج کی حکومت ہندوستان کی تمام حکومتوں
سے زبردست تھی اور قرون متوسط میں دوآبہ ہی تمام آریا آبادی اور آریا
تہذیب کا مرکز بنا رہا۔ پس راجپوت خالص آریا نہیں ہو سکتے اور اگر ہم نہایت
قدیم قبیلوں کی ابتدا کی چھان بین کریں تو ہم کو معلوم ہوگا کہ ان میں بہت کچھ میل ہے، پنجاب میں
ہمارے سامنے حکمراں برہمن خاندان موجود ہیں جو آخر میں راجپوت بن گئے، نیز دھرمن برہمن،

گجر اور اہیر سب تھوڑے بہت راجپوت قبائل میں شامل ہو گئے۔ لیکن کثرت
۳۰۹ آریا شدہ شودروں کی نظر آتی ہے۔ راجپوتانے کے قبیلوں میں سے بعض مثلاً چوہان، سولنکی اور گھلوٹ نسلاً بدیسی ہیں، دوسرے قبیلے ہندی سیتھی جاٹ اور گوجروں سے مخلوط ہیں، اور بعض کم و بیش غالباً قدیم حکمران خاندانوں کی اولاد ہیں لیکن ان کی اصلیت خواہ کچھ ہو یہ تمام قبیلے متواتر باہمی مناکحت اور عام رسوم کے اختیار کرنے سے ایک حد تک ہم جنس ہو گئے تھے، اُن کا مابہ الامتیاز یہ تھا کہ وہ اپنے سردار کی گورانہ اطاعت کرتے تھے جس میں رشتہ داری کی مساوات کا دعویٰ ہمیشہ شامل رہتا تھا اور وہ مخصوص قومی جذبات اور قومی ملک کا پورا احساس بھی رکھتے تھے، وہ اپنی لڑکیوں کی شادیاں بڑے گھرانوں میں اور خود اپنی شادیاں کم درجے کے خاندانوں میں کرتے تھے، ان میں عورتوں کی عفت و عصمت رسم ستی اور جوہر یعنی کسی محصور قلعے میں تمام عورتوں کے جل کر خاکستر ہو جانے کا احساس یکساں تھا، ان کو کاشتکاری کے کام سے عار تھا، ننگ و نام اور عزت و وقار کا یہ قانون اور یہ عام رسمیں وہ چیزیں ہیں جنھوں نے ان کو انوکھا اور ایک جنس بنا دیا تھا۔

اگنی کل خاندان کا قصہ۔

بعد کے ایام میں راجپوتوں کے بھاٹوں نے ان کے لیے بہت سی روایتیں گھڑ دیں اور ان کا شجرۂ نسب رام اور کرشن سے ملا کر انھیں شرف و اعزاز بخشا، ان میں سب سے زیادہ شاعرانہ افسانہ وہ ہے جس میں چار مشہور اگنی کل خاندانوں کی ابتدا کا بیان ہے، اس افسانے کی قدیم ترین صورت گیارھویں صدی سے تعلق رکھتی ہے، جب برہمن پرس رام (= کلہاڑی والا رام) قدیم کشتریوں کی نسل کو تباہ کر چکا تو لوگ بالکل بے سردار رہ گئے اور ملک میں بے دینی پھیل گئی، دیوتاؤں کو اب اپنے کیے پر ندامت ہوئی۔ اور اس خرابی کو دور کرنے کے لیے جو خود ان ہی کی پیدا کی ہوئی تھی وہ سب مقدس رشیوں کے مسکن کوہ آبو کو گئے تاکہ زمین پر حکومت کرنے کے لیے جنگجوؤں کی

اپنے سے نئی نسل پیدا کریں، انھوں نے کوہ آبو پر ایک آتشی گڑھا تیار کیا اور اسی میں سے راجپوتوں کے سب سے مشہور قبیلے یعنی پرہار، پوار، سولنکی اور چوہان خاندانوں کے چار سورما پیدا کیے، اس روایت سے خواہ ملکی حکمرانوں کی جگہ ایک غیر ملکی نسل کے حکمرانوں کے قائم مقام کرنے کو چھپانا مقصود ہو یا نہو لیکن یہ روایت ایک اصل واقعے پر مبنی ہے، راجپوتانہ میں مقدس پہاڑ عام ہیں اور ان میں کوہ آبو سب سے زیادہ مقدس ہے، اسی مقام پر اگنی کل خاندان کے قبائل ایک دوسرے سے ملے تھے جن میں سے تین اس کے قریبی علاقے پر قابض ہو گئے، روایت سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ کس طرح ہندوستان کی اصل تاریخ پر برہمنوں اور بھاٹوں کے افسانوں کا موٹا پردہ پڑا ہوا ہے۔

تاریخ کشمیر

قبیلوں کے نقل وطن اور ان کی نئی آبادیوں کے دوران اور اصلی باشندوں کی بے جا مداخلت اور عالمگیر شورش کے درمیان میں کشمیر اور قنوج کی دو ریاستوں نے ایک حد تک اپنی پہلی طاقت کو قائم رکھا، غالباً وادی کشمیر کی آبادی کبھی پندرہ لاکھ سے اوپر نہیں پہنچی، اس تمام شورش کا اس سے زیادہ کھلا ثبوت اور کیا ہو سکتا
۳۱۰ ہے کہ ایک ایسی چھوٹی سی ریاست کا اثر نہ صرف مغربی پنجاب پر چھایا ہوا تھا جس کا ایک حصہ اس کے ماتحت تھا بلکہ گجرات اور دکن جیسے دور دست ممالک کے تمدن بھی اس سے متاثر ہو گئے تھے، کشمیر کے حکمرانوں کا قدیم ملکی اور سب سے پہلا خاندان ناگ تھا جو تقریباً ۶۲۷ء سے ۸۵۵ء تک فرمانروا رہا، اس کے فرمانرواؤں میں سب سے مشہور درلبھ تھا جس نے خاندان کی بنا ڈالی، دوسرا للتادتیا (تقریباً ۷۲۵-۷۵۲ء) تھا جس نے مارتنڈ کا مندر تعمیر کیا، یہ ایک مشہور بہادر آدمی تھا جس نے ترکوں اور تبتیوں کے خلاف جنگ کی، چین کو سفارت بھیجی اور پنجاب کا ایک بڑا حصہ اپنے زیر نگین کیا اور آخری فرمانروا جیا پید (تقریباً ۸۰۰ء) ہے جو مہمات کا شوقین تھا، اس کے تمام تر حالات روایتی ہیں، اتپل خاندان،

جو ناگوں کا جانشین ہوا کم عرصے تک (۸۲۵ - ۹۳۹ء) قائم رہا لیکن اسمیں دو مشہور راجہ ہوئے ہیں، ایک اون تی ورمن (۸۵۵ - ۸۸۳ء) جس نے دو بڑے مندر اون تی پورے میں تعمیر کیے اور بہت بڑے پیمانے پر آب رسانی کا انتظام کیا جو آج بھی قابل تعریف ہے۔ اور دوسرا اس کا بیٹا شنکر اورمن (۸۸۳ - ۹۰۲ء) جو جنگ آزمائی اور تعمیرات کے کاموں کے لیے مشہور ہوا اس نے طریقہ مالگزاری کی بنیاد ڈالی جو انیسویں صدی تک جاری رہی۔

تاریخ قنوج

حکومت قنوج اس سے بہت زیادہ اہم تھی اور اس کی شہرت چینیوں اور عربوں تک پہنچ گئی تھی اگرچہ وہ دوآبہ اور جنوب اودھ میں بنارس تک محدود تھی لیکن اس نے اب تک اپنی پہلی طاقت کسی قدر اور اپنی گزشتہ شہرت بہت کچھ قائم رکھا تھا آٹھویں اور نویں صدی کے دوران میں مشرقی پنجاب اور ترائی کے باجگزار راجاؤں نے اس کی سیادت کو تسلیم کر لیا تھا۔ فاتح قنوج اور اپنے خاندان کا سب سے زبردست راجہ بھوج اول (تقریباً ۸۴۰ - ۸۹۰ء) گوالیار سے ہمالیہ تک تمام ملک کا مالک تھا اور اس کے بیٹے مہندر پال (۸۹۰ - ۹۱۰ء) نے باپ کی سلطنت کی عظمت و حدود کو بجنسہ سلامت رکھا۔ اس علاقے کی زمین زرخیز اور آبادی گنجان تھی، دارالسلطنت بہت بڑی تجارت کا مرکز اور ہندوستان میں سب سے زیادہ دولتمند شہر تھا۔ اس زمانے میں ہم کو نہ صرف برہمنوں کے جوق کے جوق بلکہ کایستھ سنار، کرمی اور دوسری ذاتوں کے بڑے بڑے گروہ مغربی ساحل پر گجرات تک اور مشرق میں بنگال تک نقل وطن کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں لیکن ان تمام تینوں صدیوں میں قنوج کو خانگی انقلابوں سے صدمہ پہنچتا رہا صرف آخری لینے بہ استثنائے خاندان تومار جس کی بنا دھلن نے ڈالی تھی، تمام خاندان تھوڑے تھوڑے عرصے تک رہے۔ ان کے زمانے میں کوئی مورخ پیدا نہ ہوا۔ اور ان کی تاریخ کتبات سے جو اکثر ان کے دشمنوں کے کندہ کیے ہوئے ہیں نہایت جانکاہی سے از سرنو

مرتب کرنی پڑتی ہے۔

(۲) اجمالی (سنہ ۹۵۰ — ۱۳۰۰ء)

اس عہد کی سیاسی تاریخ

دسویں صدی کے وسط تک جدید ہندومت کے تمام سیاسی، معاشرتی اور مذہبی اصول مستقل طور سے قائم ہوگئے تھے اور بیرونی مواقعات سے آزاد رہ کر اس نے آئندہ
۳۱۱ ڈھائی سو برس کے اندر اپنی تمام تر مخصوص صورتوں کو ترقی دی۔ سیاسی تحریک کے مرکز گجرات، راجپوتانہ، دوآبہ اور اودھ میں پائے جاتے ہیں، اس رقبے سے باہر کشمیر، پنجاب، بہار اور بنگال میں وہی پرانی شورش اور انحطاط تھی کہ قدیم حکومتیں کو ان کے خاندان سنے تھے اب تک باقی تھیں۔ دسویں صدی کے دوران میں مغربی پنجاب "برہمن شاہی" فرمانروایان اوہند کے زیر نگین آگیا تھا، ایک صدی بعد مسلمانوں کے خلاف ان کے دلیرانہ مقابلے نے ان کے ہم عصر البیرونی (۱۰۳۰ء) سے داد شجاعت لی لیکن انھوں نے جیتا یا میدان جنگ میں جان دی۔ ان کے دار الحکومت لاہور پر قبضہ کر لیا گیا اور ۱۰۲۱ء میں محمود نے مغربی پنجاب کو سلطنت غزنی سے ملحق کر لیا۔ کشمیری اپنی ناقابل گزر وادی میں محفوظ رہے لیکن وہ اندرونی تنازعات اور کمزوری میں مبتلا ہو گئے۔ ان کی سیاسی اہمیت جاتی رہی اور ایک مسلمان مہم پرست نے وہاں کی آخری ہندو رانی کو ۱۳۳۹ء میں قتل کر دیا۔ وسط ہمالیہ کے کھس، جن کے نام سے کماؤں کا ایک حصہ اب تک کھس منڈل کہلاتا ہے اور جو نیپال کی آبادی کا ایک بڑا جزو ہیں، کوئی تاریخ نہیں رکھتے۔ ان کی تاریخ اُس وقت سے شروع ہوتی ہے جب کہ مہم پرست راجپوتوں نے دسویں سے تیرھویں صدی کے درمیان اپنے ہم عصروں سے پسپا ہو کر یا مسلمانوں کے سامنے سے بھاگ کر ان میں اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیں جو آج تک باقی ہیں۔ بہار اور بنگال کی تاریخ ایک الگ چیز ہے اور ان

دو نو صوبوں سے الگ بحث کی جائے گی، اس زمانے کی سیاسی تاریخ کا انحصار ان میں سے کسی سلطنت پر نہیں ہے بلکہ وہ راجپوت خاندانوں کے گرد پیش دورہ لگاتی ہے جو پنجاب سے رہیل کھنڈ تک پھیلے ہوئے تھے

خاص خاص راجپوت قبائل

بیکانیر اور جیسلمیر کے بھاٹیوں اور دوسرے قبائل کو، جو کہ دور افتادگی کے مغربی ملک پر قابض تھے اور جن کی تاریخ ابتدائی تحقیق سے کچھ زیادہ دلچسپ نہیں مستثنا کرکے ہم راجپوت قبائل کی صراحت کرتے ہیں اور مغرب سے شروع کرکے مشرق کی طرف چلتے ہیں۔

سولنکی

۱- سولنکی گجرات اور کاٹھیاواڑ پر قابض تھے ان کا صدر مقام انہل واڑہ یا پٹن تھا، ان کے فرمانرواؤں کو علما چولوکیا کہتے تھے لیکن انہیں دکن کے چالوکیوں سے جدا رکھنا چاہئے۔ گجرات کی حکومت مولراج (۹۶۱-۹۹۳ء) نے قائم کی تھی جسے علاءالدین نے ۱۲۹۷ء میں فتح کیا۔

پونوار

۲- پونوار مالوہ پر مسلط تھے لیکن اس قبیلے کے افراد کی باہمی شراکت نہایت کم زور تھی اور یہ اپنے آپ کو قدیم موریوں کی نسل سے بتاتے تھے جو موریا خاندان کی ایک شاخ تھی، ان کے بڑے بڑے شہروں میں ایک تو کوہ آبو کی نواح میں چندراولی تھا، دوسرے اجین اور تیسرے دھار۔ ۸۰۰ء میں آکر سین کوہ آبو سے اتر کر ان کا راجہ بن گیا لیکن ان کے مہاراجاؤں میں سب سے مشہور راجہ بھوج (تقریباً ۱۰۱۰-۱۰۵۰ء) تھا جس کی شہرت بحیثیت ایک جنگجو، مصنف اور مربی علوم کے افسانہ و کرامات سے دوسرے
۳۱۲ درجے پر ہے، سلطنت پونوار دسویں صدی میں سولنکیوں کے ہاتھ سے تباہ و برباد ہوگئی اور اس کے متعدد چھوٹے چھوٹے رجواڑے بن گئے، بارھویں صدی کے اواخر میں سولنکی خاندان کی ایک شاخ بگھیل (دو گھیلا) اضلاع پونوار کے مشرق میں آباد ہوگئی اور اس نے موجودہ

ریاست ریوہ کی بنیاد ڈالی ۔

گھلوٹ ۳۔ گھلوٹ قوم کی ابتدا ایک شہزادی سے ہوئی تھی جو کاٹھیاواڑ کے شہر ولبھی کی تباہی (تقریباً ۷۷۰ء) میں وہاں سے بچ نکلی تھی، ان کا پہلا سردار باپا بھیلوں کی دوستانہ امداد سے میواڑ میں آباد ہوا اور اس کے بیٹے گہل نے چتوڑ پر قبضہ کیا جو آٹھ سو برس تک گھلوٹوں کی راجدھانی بنا رہا، گھلوٹ (یا سیسودیا) تیرھویں صدی کے بعد شہرت میں تمام راجپوت خاندانوں سے بڑھ گئے لیکن زیر ذکر عہد میں انھوں نے کچھ نمایاں کام کر کے نہیں دکھایا۔

چوہان ۴۔ چوہان ایک زبردست اور بڑے قبیلے کے راجپوت ہیں کوہ آبو سے حصار اور دلی سے نواح ہمیرپور تک وہ تمام ملک پر قابض تھے، وہ بے شمار چھوٹے چھوٹے نیم آزاد فریقوں میں تقسیم تھے لیکن ان کی طاقت جھیل سانبھر کے گرد مرتکز ہوئی تھی، گیارھویں اور بارھویں صدی میں سانبھر کے راجاؤں نے اپنی سیادت اپنے پورے خاندان پر قائم کر لی اور اجمیر کو اپنا دارالسلطنت بنایا، ان کا آخری اور سب سے زبردست فرماں روا پرتھوی راج (۱۱۷۲۔۱۱۹۲ء) تھا۔

کچھواہ ۵۔ کچھواہہ اور چندیل ایک دوسرے کے حلیف تھے، ان کی شہرت ان کی تعداد سے متناسب نہ تھی، کچھواہوں نے نویں صدی میں قلعہ گوالیار تعمیر کیا اور گوالیار اور نروار پر ۱۱۲۹ء تک متسلط رہے اور جب دولہا شہزادہ تیج کرن اپنی محبوبہ خوبصورت مارونی کے عشق کے سلسلے میں شادی کے بعد پورے ایک سال رنگ رلیاں مناتا رہا۔ اور اس کی غیر حاضری میں اس کے بھتیجے نے، جو پریہار خاندان سے تھا، تخت کو غصب کر لیا۔

چندیل ۶۔ چندیلوں نے تقریباً سنہ ۸۳۱ء میں ہمیرپور کے علاقے میں مہوبا اور ۹۲۵ء میں کالنجر کے مضبوط قلعے پر قبضہ

کرکے اپنی سلطنت کی بنا ڈالی، وہ نہ صرف اپنی اولو العزمیوں کے لیئے مشہور ہیں بلکہ مندروں کے ایک بڑے سلسلے کے لیئے بھی شہرت رکھتے ہیں جن کو انھوں نے کھجراہو میں تعمیر کیا، مندر اس وقت راجپوتوں کے فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ پیش کرتے ہیں، ان کے ملک کو ۱۱۸۲ء میں پرتھوی راج نے تاراج کیا اور کالنجر کو مسلمانوں نے ۱۲۰۳ء میں لے لیا۔

تومار ۷۔ تومار جمنا اور دلی کے گرد و نواح کے علاقے میں آباد تھے ایک روایت کے بموجب دلی کی بنا اس خاندان کے پہلے راجہ اننگ پال اول (تقریباً ۷۳۶ء) نے ڈالی لیکن اس وقت تک دلی اہم مقام نہ ہوا تھا ۱۰۵۰ء کے قریب اننگ پال دوم نے اسے ایک مضبوط قلعے میں منتقل کرکے اس کی حیثیت بنا دی، تومار اور چوہانوں کے درمیان ہمیشہ میدان کارزار گرم رہتا تھا اور اس کا سلسلہ اس وقت ختم ہوا جبکہ چوہانوں نے ۱۱۵۰ء میں دلی کو فتح کرلیا۔

ڈور ۸۔ ڈور راجپوتوں کا ایک چھوٹا سا قبیلہ گھلوتوں کے مقابلے میں ۳۱۴
میواڑ سے بھاگ کر ۸۰۰ء کے قریب برن (بلند شہر) میں جا بسا، اس نے محمود غزنوی (۱۰۱۸ء) کی مدافعت کرکے اپنے آپ کو بچایا، اور اپنے ہمسایہ توماروں کے مقابل برابری کے دعوے سے لڑتا رہا لیکن آخرکار وہ اپنے اتحادی برگوجروں سے بے انتہا دب گیا اور قطب الدین نے ۱۱۹۳ء میں اسے بالکل تہ و بالا کردیا۔

اودھ کے راجپوت راجپوتانہ اور اودھ کے راجپوتوں کے درمیان قنوج کی جلیل القدر سلطنت حائل تھی جو جنوبی دوآبہ اور جنوبی اودھ پر مشتمل تھی اور کالی ندی سے بنارس تک پھیلی ہوئی تھی، اگرچہ راجپوت خاندان قنوج میں حکمراں تھے اور اسکے دربار میں راجپوت سورماؤں کا مجمع تھا لیکن کوئی مشہور راجپوت فرقہ جنوبی دوآبہ میں آباد نہیں ہوا اور اودھ کے قبیلے صرف مقامی تاریخ میں نمودار ہوتے ہیں، رہیل کھنڈ اور شمالی اودھ میں بھروں اور اہیروں

کے بے شمار چھوٹے چھوٹے سردار حکومت کرتے تھے، اور اولوالعزم راجپوت اودھ سے روہیلکھنڈ اور دریائے سرجو کے پار جا پہنچے اور دسویں صدی کے آخر میں ہم دیکھتے ہیں کہ راجپوتوں کا ایک آزاد فرقہ باچھل پلی بھیت میں حکمراں ہو گیا، اور اس کے کچھ دنوں بعد کٹھر یا راجپوت کٹھیر (روہیل کھنڈ) میں فرمانروا ہو گئے۔

تاریخ گجرات | تمام ریاستوں میں قنوج اور گجرات کی حکومتیں سب سے زیادہ گنجان، دولت مند اور طاقتور تھیں، گجرات کی عظمت کچھ تو اس کی دولت کی وجہ سے تھی جو کیمبے اور بھڑوچ کی بندرگاہوں کے ذریعے سے ملک میں آتی تھی اور کچھ اس کے چار شہنشاہوں کی طویل مدت سلطنت کی وجہ سے سلطنت کے بانی مولراج (۹۴۱ - ۹۹۴ء) نے اپنی عمر لڑائیوں میں صرف کی جن میں سے اکثر کامیابی کے ساتھ ختم ہوئیں اور بڑی عمر کو پہنچ کر میدان جنگ میں جان دی، بھیم اول (۱۰۲۲-۱۰۶۴ء) نے آغاز جوانی میں محمود کے ہاتھ سے سومنات کے مشہور مندر کی تباہی دیکھی تھی اور اسی کے سامنے پونواروں نے اس کے دارالسلطنت کو چھین لیا تھا لیکن مرتے وقت اس نے سلطنت کو اپنی تخت نشینی کے زمانے کی نسبت زیادہ طاقتور چھوڑا، اسدھ راجا (۱۰۹۴-۱۱۴۳ء) اپنی نسل میں سب سے مشہور اور ایک بہت ہی بڑا جادوگر گزرا ہے، اس نے پونواروں سے بارہ سال تک جنگ کی اور اُن کے راجا کو پنجرے میں لیے ہوئے پھرتا رہا اس کے جانشین کمارپال (۱۱۴۳-۱۱۷۴ء) نے، جسے اس نے ستایا اور قتل کرنا چاہا تھا، مالوے کی فتح کو پورا کیا اور کہتے ہیں کہ اس نے سانبھر پر بھی حملہ کیا تھا، اس کی موت کے بعد سلطنت میں اس قدر طاقت موجود تھی کہ اس نے مسلمانوں کے حملوں (۱۱۷۸-۱۱۹۶ء) کو رد کیا لیکن اس میں مستقل طور پر ضعف پیدا ہوتا گیا یہاں تک کہ ۱۲۹۸ء میں علاء الدین کے افسروں نے اس کو فتح کر لیا۔

تاریخ قنوج | حکومت قنوج ہندوستان کی تمام حکومتوں میں سب سے

طاقتور تھی اور گنگا کے کنارے اس کا دارالسلطنت دولت و عظمت میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا لیکن دسویں صدی کے وسط سے اس میں زوال شروع ہوگیا تھا اس سلطنت کے راجہ جیپال نے جو بھوج اول کے خاندان سے تھا محمود سے ایک شرمناک صلح (۱۰۱۹ء) کی اور چندیلوں اور کچھواہوں نے اس کی کمزوری دیکھکر یا اس کی بزدلی سے ناراض ہوکر اس کے دارالسلطنت پر دھاوا کیا، جیپال (تقریباً ۱۰۲۱ء) قتل ہوا۔ اس کا جانشین اودھ کو بھاگ گیا اور شہر قنوج تقریباً ویران پڑا رہا یہاں تک کہ جے چندر راٹھور نے اس پر قبضہ (تقریباً ۱۰۹۰ء) کر لیا، راٹھور جو (۱۴۲ س)
اس وقت تاریخ میں پہلی مرتبہ نمودار ہوتے ہیں، بنارس کے گہرواروں کی ایک شاخ تھے اور ان کے بڑے شہر قنوج اور جونپور تھے، یہ خاندان جس کی بنا راجہ چندر نے ڈالی تھی ہندوستان کے نہایت مشہور خاندانوں میں شمار ہونے لگا اس کی شہرت وسیع اور اس کی عمارتیں رفیع تھیں، اور یہی خاندان ایسا ہوا ہے جس کی ہمسری کا دعوی کسی نے نہیں کیا، اس کے فرمانرواؤں کے آخری ایام دلی کی تاریخ اور ہندوؤں کے انحلال اور خاتمے سے قریب کا تعلق رکھتے ہیں۔

سلطنت چوہانیہ زیر بحث عہد کے تین بڑے واقعات ہیں، مالوے کے پونواروں کا زوال، راٹھوروں کی فتح قنوج اور سلطنت چوہانیہ کی ناپائدار سطوت ہے، پہلے دونوں ابھی بیان ہو چکے ہیں، چوہان دولت مند تھے کیونکہ سانبھر، اجمیر اور اُن کے دوسرے شہر کاروانی تجارت کے بڑے مرکز تھے لیکن اُن کے فرقے آپس میں متحد نہ تھے، گیارھویں صدی کے اختتام کے قریب اَرنوراجا اور اس کے جانشینوں نے اپنی طاقت کو مستحکم کیا اور ۱۱۶۳ء میں وسال دیو (بسال دیو) اس بات پر فخر کرسکتا تھا کہ اس نے وندھیا سے ہمالیہ تک تمام ملک فتح کر لیا، اس کی فتوحات میں سب سے اہم دلی کی فتح (تقریباً ۱۱۵۳ء) تھی کیونکہ جب سے اننگ پال دوم

(تقریباً ۱۰۵۲ء) نے اس کے استحکامات قائم کر دیئے تھے یہ ایک نہایت اہم مقام ہو گیا تھا، وسال دیو نے تومار راجا کو اپنے باجگزار کی حیثیت سے حکمرانی کی اجازت دے دی تھی اور اس کی لڑکی سے اپنے بیٹے سومیشور کی شادی کر دی اس رشتے سے پرتھوی راج پیدا ہوا جو مسلمانوں کے مقابلے میں ہندوؤں کا علم بردار ہو کر سامنے آیا اور جو ایک مقبول افسانے کا ہیرو ہے۔

پرتھوی راج

پرتھوی راج کا سب سے پہلا بہادرانہ کام یہ تھا کہ وہ قنوج کی شہزادی (تقریباً ۱۱۷۵ء) کو اڑا لے گیا شہزادی کے باپ جے چند راٹھور نے مہاراجہ ادھیراج بننے کا دعویٰ کیا اور اپنے زعم میں اسومیدھ (گھوڑے کی قربانی) کرنے کا عزم کیا جس کو مہاراجہ ادھیراج کے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا تھا، اسومیدھ کے لئے یہ ضروری تھا کہ اس میں باجگزار راجاؤں سے نہایت ادنیٰ درجے کی خدمات تمام دلائی جائیں، اسلیے پرتھوی راج نے جرأت کر کے اس رسم کی شرکت سے منہ موڑ لیا اور جے چند نے اس خیال سے کہ کسی بات کی کسر باقی نہ رہے پرتھوی راج کی سونے کی ایک مورت بنوائی اور اس کو بطور اپنے دربان کے کھڑا کر دیا، پرتھوی راج بھیس بدل کر قنوج کے دربار میں پہنچ چکا تھا اور وہاں شہزادی پر عاشق ہو گیا جس کی ذات شجاعت کا انعام مقرر کی گئی تھی، چنانچہ وہ اس کو محل سے بلا تامل اٹھا کر لے گیا اور اپنے جانبازوں کے ایک چھوٹے سے دستے کے ساتھ دشمنوں کی صفیں چیر کر نکل گیا،

اس کی دوسری بہادری کالنجر اور مہوبا کے چندیل راجا پرمال کی شکست (۳۱۵)
(۱۱۸۲ء) تھی لیکن اس جنگ میں جنگ کی دلچسپی پرتھی راج سے اتنی وابستہ نہیں ہے جتنی کہ اس کے مدمقابل بنافر راجپوتوں آلہا اور اودل سے ہے، شاعروں نے ان کی مظلومانہ جلاوطنی، ان کی ماں کے کہنے پر جو ایک مردسیرت اہیرن تھی ان کی واپسی اور ان کی جنگی مہمات کو طرح طرح سے نظم کیا ہے، پرتھوی راج کا آخری اور سب سے بڑا کام مسلمان حملہ آوروں سے

نبرد آزمائی سے ابتداً تو اسے نہایت شاندار کامیابی ہوئی لیکن بعد میں تھانیسر کے قریب (۱۱۹۲ء) شکست فاش کا منہ دیکھنا پڑا وہ اور اس کا بیٹا دونوں میدان جنگ میں کام آئے، اجمیر تاخت و تاراج ہوا، دلی، بدایوں اور برن (۱۱۹۳ء) (بلند شہر) دشمن کے قبضے میں چلے گئے، پرتھوی راج کا حریف جے چند والی قنوج بھی زیادہ عرصے تک اپنی خیر نہ منا سکا، قنوج برباد ہوا جے چند قتل یا غرق ہو گیا اور دس سال کے عرصے میں تمام شمالی ہندوستان باستثنائے گجرات اور راجپوتانہ مسلمانوں کے ہاتھ سے پامال ہو گیا اور جدید ہندومت کا عہد متوسط رخصت ہوا۔

راجپوتوں کا تمدن۔

گیارھویں اور بارھویں صدیاں جدید تہذیب و تمدن کا عہد زریں تھیں، اس تہذیب و تمدن کا مدار کچھ تو مذہبی حکومت پر تھا اور کچھ جنگی مطلق العنانی پر، برہمن پیدائشی حق سے آسمانی ہستیاں بنے ہوئے تھے، وہ بعض اوقات حکومت کے اعلیٰ عہدوں کو قبول کر کے حکومت کو ممنون کر دیا کرتے تھے لیکن ان کا خاص مشغلہ فلسفہ و سائنس اور علم و ادب کی تحصیل و ترویج تھا، اور راجپوتی دربار علوم کی سرپرستی میں ایک دوسرے سے مسابقت کی کوشش کرتے تھے، ادنیٰ درجے کے برہمن لوگوں کے روحانی مقتدا (پروہت) تھے اور وہ عوام کے مقبول دیوتاؤں کے پجاریوں کا کام بھی انجام دے کر مخلوق کو رہین منت کر دیا کرتے تھے لیکن جہاں اعلیٰ طبقے کے برہمن سیاسیات کو اپنے مرتبے سے ارذل سمجھتے ادنیٰ درجے کے برہمن دقیق النظر سیاست داں ہوتے تھے، وہ اپنے حصول مفاد کے لئے مذہبی سزا اور اپنی بددعا کا خوف دلاتے تھے، فرمانرواؤں نے ایک قسم کی نیم الوہیت اختیار کر لی تھی اور وہ غلاموں پابندگان رکے حلقے میں گھرے رہتے تھے امرا، راجاؤں کے قدم بقدم چلتے تھے وہ قابل گزر مقامات میں اپنے لئے قلعے تعمیر کرتے تھے اور اپنی طاقت کو فدائیوں کی مصاحبت سے مضبوط رکھتے تھے، قصباتی برادری نے اپنا جتھا الگ قائم کر رکھا تھا لیکن دیہاتی آبادی غلامی میں جا پڑتی تھی، خانگی اور ملکی لڑائیوں کا رواج عالمگیر

تھا، لیکن باوصف ان لڑائیوں کے اور حسد کے جو غیر ملکیوں کے ساتھ برتا جاتا تھا، ملک کے مختلف حصوں میں آمد و رفت کے ذرائع معقول تھے، تجارت کو فروغ حاصل ہوا شاعر اور پنڈت ایک دربار سے دوسرے دربار میں پہنچتے تھے اور کہتے ہیں کہ کشمیر کے پھول اور گنگا کا جل روزانہ سومنات کے مندر میں چڑھایا جاتا تھا۔ راجاؤں اور مندروں کی دولت کی کوئی انتہا نہ تھی، جاتراؤں کا رواج تھا، اور جلیل القدر زیارت گاہ مقدس مقامات کی محافظت کا ذمہ لیا کرتے تھے۔

راجپوتوں کا فن تعمیر دو باتیں خاص طور پر قابل لحاظ ہیں (۱) شمالی ہند کے سب سے پہلے سنگین مندروں میں سے دو تین تو چھٹی (۳۱۶) یا ساتویں صدی کے ہیں ورنہ تقریباً باقی تمام آٹھویں اور نویں صدی کی تعمیر ہیں، اس سے پیشتر تمام عمارتیں حتیٰ کہ نہایت مقدس عمارتیں بھی اینٹ اور لکڑی کی بنتی تھیں، لیکن دسویں اور بارھویں صدی کے درمیان عالیشان سنگین مندر، جن میں نہایت نازک لیکن بے ڈھنگی صنعت دکھائی جاتی تھی، تمام راجپوتی ریاستوں میں تعمیر ہونے لگے، دلی، اجمیر، قنوج، بدایون، جونپور بلکہ درحقیقت ہر جگہ کے مندر جہاں مسلمانوں کی حکومت استقلال کے ساتھ قائم ہو گئی تھی، مسجدوں کی جگہ استعمال کئے جاتے تھے، لیکن کوہ آبو چندر وتی، بڑودتی اور کھجراہو کے موجودہ کھنڈر اور مندر ان کی گزشتہ شوکت کی جھلک پیش کرتے ہیں، ان مندروں سے بھی پرانے وہ مضبوط استحکامات ہیں جن سے راجپوت پہاڑوں کی چوٹیوں کو تاج پوش کرتے تھے، راجپوتانے کے تمام بڑے بڑے قلعے اسی عہد سے شروع ہوتے ہیں اور راجپوت تعمیر اس عہد میں

دکن کا اثر۔ معراج کمال پر پہنچ گئی تھی اسی نئی تہذیب و تمدن کا شوق زیادہ تر دکن سے آیا، دکن سے فلسفے کے دو بڑے مسلک جاری ہوئے جن میں ہند و دنیا منقسم ہے یعنی نویں صدی میں شنکر اچاریہ کی تعلیم اور بارھویں میں رامانج کے فلسفے کا ظہور ہوا، ان دونوں معلموں نے اپنی عمر کا بڑا حصہ شمالی ہند میں گزارا نئی قسم کی سنگین

عمارتوں کی طرز بھی غالباً جنوب سے آئی جہاں سنگین مندر کچھ عرصے سے رواج پا چکے تھے۔ دکن کے رسم و لباس اور آداب و اخلاق کی نقل کشمیر تک میں ہوتی تھی اور شمال اور جنوب ایک دوسرے سے متاثر رہتے تھے۔

بنگال اور بہار کی تاریخ۔ بنگال، بہار اور نیپال براہ راست راجپوت ریاستوں کے زیر اثر نہ تھے۔ آسام کے راجا جنھوں نے ہندو مذہب اختیار کر لیا تھا، بنگال کے شمال مشرق پر قابض تھے باقی ماندہ ملک چار حکومتوں میں منقسم تھا، پوندوں کا ملک پونڈرا جو آج کل پبنا کہلاتا ہے شمال میں واقع تھا اور ونگا یا بنگال خاص گنگا کی اصل شاخ کے جنوب میں واقع تھا جو یہاں پدما یا پدّا کے نام سے موسوم ہے ونگا کے جنوب میں کرناسونا تھا جو اس وقت بردوان، مرشد آباد وغیرہ اضلاع میں تقسیم ہو گیا ہے اور تامرلپتا (مدناپور) جس کی مشہور اور اہم نام بندرگاہ دریائے روپ نرائن پر واقع تھی ملکی کی جنوبی کھاڑیوں کے برابر برابر چلا گیا تھا، مغرب میں انگا (بھاگل پور) ہے جس کا پایۂ تخت کمپا ہے۔ جنوب بہار یا مگدھ بھی یہیں ہے متھلا یا تیرہت جس میں موجودہ چمپارن اور دربھنگہ کے ضلع شامل تھے، نیپال سے بالکل ملا ہوا تھا، ان ریاستوں کی تاریخ بالکل تاریکی میں ہے لیکن ہم کو معلوم ہے کہ سنہ ۹ء کے قریب گوپال نے مگدھ اور انگا پر اپنا تسلط کر لیا اور ایک صدی کے اندر پال خاندان نے جس کا بانی گوپال تھا، تمام بنگال پر اپنی سیادت قائم کر لی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد یعنی سنہ ۱۰۰۰ء کے قریب اس کا کچھ حصہ الگ ہو گیا۔ مہی پال (تقریباً ۱۰۰۰-۱۰۳۵ء)
(۱۳۱۷) ایک زبردست راجا تھا وہ کچھ عرصے کے لیے بنارس پر بھی قابض ہو گیا اور نرائن پال جو اس خاندان کی دوسری شاخ کا سردار تھا بنگال کا شہنشاہ بن گیا، پالوں کی مگدھی شاخ برسر حکومت رہی یہاں تک کہ بختیار خلجی کے بیٹے محمد نے اُن کو اور اُن کے ساتھ بدھ مذہب کو ملیا میٹ (تقریباً ۱۱۹۶ء) کر دیا۔ بنگال کے پالوں کا خاتمہ ذرا جلد ہو گیا، سنہ ۱۰۹۵ء کے قریب پوندروں کے راجا وجیا یا سین نے ان کو بالکل تباہ کر دیا اور

سین خاندان کی بنیاد ڈالی مگر یہ خاندان بھی اس وقت معدوم ہو گیا جب کہ سنہ ۱۱۹۹ء میں مسلمانوں نے اس کا پائے تخت ندیا بے خون بہائے تسخیر کر لیا؛

بنگال میں ہندو مذہب کی اشاعت

اگرچہ برہمن بنگال میں بہت عرصے پیشتر داخل ہو گئے تھے لیکن یہاں کے آریا آبادکاروں کی تعداد بہت کم تھی اس ملک پر اس کی اصلی قومیں مثلاً کوچ، کیبرتا پود اور چنڈال کی نسلیں حکمران تھیں بنگال کی تاریخ متوسط زیادہ تر اس لئے مشہور ہے کہ ایک تو سین خاندان نے ہندوستان کی اونچی ذات کے لوگوں کو اپنے ملک میں آباد کرنے کی کوشش کی اور دوسرے بل لال سین نے بارھویں صدی میں قانون ذات پر ایک ادق کتاب تیار کی؛

بدھ مذہب کا زوال و خاتمہ

اسلامی فتوحات کے وقت شمالی ہندوستان میں صرف مگدھ ہی بودھوں کی حکومت تھی اور اس کی تباہی کے ساتھ بدھ مذہب بالکل تباہ ہو گیا شوا اور وشنو کی پرستش کے دو بڑے بڑے موحدانہ طریقوں کے پیدا ہونے کے علاوہ ہند متوسط کی مذہبی تاریخ میں بدھ مذہب کا زوال سب سے زیادہ نمایاں واقعہ ہے یہ ایک بحث طلب سوال ہے کہ آیا بدھ مذہب اپنے وطن سے باہر کسی حصۂ ملک میں کبھی مقبول ہوا یا نہیں؛ اشوک نے بہ حیثیت ایک راجا اور نئے معتقد کی سرگرمی سے اس کی اشاعت کی اور ہندی سیتھوں نے اس کو خوشی سے قبول کیا گجرات اور مالوے کے تاجروں اور اعلیٰ طبقوں میں بھی وہ وسعت کے ساتھ پھیل گیا لیکن دوسرے مقامات میں غالباً وہ صرف ایک فرقے کا مسلک تھا اور سن عیسوی سے کسی قدر پہلے اور اس کے بعد شمالی پنجاب، شمالی دوآبہ اور رہیل کھنڈ میں جہاں برہمنوں کا انتہا درجہ زور تھا، اس مذہب نے جڑ نہ پکڑی، قرون متوسط میں وہ تیزی کے ساتھ زوال میں آتا رہا، سنہ ۸۵۰ء اور سنہ ۹۰۰ء کے درمیان گندھارا اور شمال مغربی پنجاب میں بالکل نابود ہو گیا، سنہ ۱۲۰۰ء کے بعد دوآبہ اور اودھ میں مشکل سے اس کا کوئی نشان ملتا ہے جنوبی راجپوتانے میں دھمتار

اور کھولوی غار (۶۰۰ —— ۷۰۰) بدھول کی آخری الوداعی کوششیں ہیں، اور اگرچہ بدھ مذہب بنگال میں مقبول ہوا بھی تو وہ خاندان سین کے عہد میں رخصت ہو گیا اس کا زوال اس کے توام جین مذہب کے فروغ سے ملا کر دیکھا جائے تو عجیب چیز معلوم ہو گا۔

جین مت

گجرات کے راجہ آخر الذکر کے محافظ تھے اور غالباً جینوں کے ہاتھ سے اس مذہب میں داخل ہوئے ان کے درباروں میں جین مصنفوں کی قدر ہوتی تھی، جینی سپہ سالار اور وزیر ریاست کے بڑے بڑے حکام تھے، کوہ آبو، گرنار، پالی تنا اور کھجراہو تک تمام جنوبی راجپوتانے میں جینیوں کے مندر اس کیش کے عروج و غلبہ (۱۲۱۸) اور اس کے پیرووں کی دولت و ثروت کی شہادت دیتے ہیں۔

راجپوتوں کی تاریخ کا آخری حصہ۔

اسلامی حملے کے ساتھ ہندوؤں کی تاریخ متوسط کا خاتمہ ہو جاتا ہے، تیرھویں اور چودھویں صدی کے دوران میں مسلمانوں نے راجپوتانے کے تمام قلعوں کو اگرچہ وہ ان کو قائم نہ رکھ سکے، تسخیر کر لیا تھا اور انھوں نے باقی ماندہ تمام شمالی ہند میں مستقل طور سے اپنے قدم جما لئے تھے، اسلامی یورشوں سے زمین "ترشکہ ساگر" میں ڈوب گئی تھی اور راجپوتانے کی سطح میں ایک انقلاب پیدا ہو گیا تھا، صرف میواڑ کے گھلوٹ (سسودیا) مسلمان حملہ آوروں کا استقلال سے مقابلہ کرتے رہے اور ان کے دار الحکومت چتوڑ کی پے در پے شکستوں سے الٹی اُن کی شہرت میں اضافہ ہوتا رہا، پریہاروں نے جب کچھواؤں سے (۱۲۲۹ء) گوالیار چھین لیا تو انھوں نے رنیتوں میں جا کر پناہ لی اور حکومت دھونڈار جس کا صدر مقام آمیر تھا قائم کی جو آخر کار مغلوں کے زیر سایہ رونق پا کر آجکل جے پور اور الور کی ریاستوں سے موسوم ہے بگھیل بارھویں صدی میں ریوہ میں آباد ہو گئے اور تیرھویں صدی میں بندیلوں نے جو گھرواروں کی ایک زوال یافتہ شاخ تھی اور اس لئے۔ راٹھوروں سے دور کی قرابت بھی

رکھتی تھی، اور چمبا میں ایک چھوٹی سی حکومت قائم کی اور اپنے نام پر اس کا نام بندیل کھنڈ رکھا، راٹھور قنوج سے نکال دیئے گئے تو انھوں نے مارواڑ میں ایک نئی ریاست جودھ پور پیدا کی اس نے گرد و نواح کے بھاٹیوں اور چوہانوں کو جذب کرلیا اور بہت جلد گہلوتوں کی مد مقابل بن گئی۔ بعد کی صدیوں میں مارواڑ اور میواڑ جن میں ابتداً دوستی لیکن بعد ازاں سخت دشمنی پیدا ہوگئی تھی راجپوتانہ کی دو سربرآوردہ ریاستیں تھیں، دلی، اجمیر، اور مہوبا کی تباہی پر چوہان اور چندیل شمالی ہند میں منتشر ہوگئے، انھوں نے جموں سے الموڑے تک ہمالیہ میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیں اور چودھویں صدی میں چوہانوں کی ایک شاخ ہاروں نے جنوبی راجپوتانہ میں کوٹہ اور بوندی کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کیں، پندرھویں صدی میں گجرات، جونپور، اور دلی کی اسلامی حکومتوں کی باہمی جنگ و رقابت نے راجپوتوں کو دم لینے کا موقع دیا اور یہاں سے ان کی قسمت کا ستارہ دوبارہ چمکتا ہے، یہ زمانہ گوالیار کے تووار حکمران مشہور مان سنگھ (۱۴۸۶ — ۱۵۱۶ء) کا عہد زریں تھا، چیتوڑ اور گوالیار کی بڑی بڑی عمارتیں پندرھویں صدی کی ہیں، مسلمانوں کی تسخیر دہلی کے بعد ہندوؤں کی پہلی اور مشہور عمارتیں یہی ہیں، مغلوں کے ورود کے ساتھ ایک بہتر زمانہ شروع ہوا اور اکبر کی دانشمندانہ حکومت کے تحت میں راجپوتوں میں پھر ایک دفعہ طاقت آگئی اور وہ سلطنت کے اعیان و ارکان بن گئے ۔

باب (۹)

(۳۲۱)

جنوبی ہندوستان کے ہندوؤں کا زمانہ

تمہید

جنوب کے حدود اربعہ جغرافیہ کے لحاظ سے دریائے نربدا اور سلسلۂ وندھیاچل جنوبی ہندوستان کو شمال سے جدا کرتے ہیں اس دریا اور پہاڑ کے جنوب میں تقریباً پورے جزیرہ نما کی دوسری جانب تک ایک سطح مرتفع پھیلا ہوا ہے جس کو دکن کہتے ہیں۔ مشرق میں اس ملک کو سمندر سے وہ نشیبی قطعات جدا کرتے ہیں جن کو گوداوری اور کرشنا سیراب کرتے ہیں اور مغرب میں گھاٹوں کی تلیٹی کی وہ لمبی پٹی جو کونکن کہلاتی ہے، دریائے تنگ بھدرا اور کرشنا دکن کے خطوط تقسیم ہیں یعنے ان خطوط کے بعد دکن کے جنوب میں وہ ملک واقع ہے جو عام طور پر "جنوبی ہندستان" کے نام سے موسوم ہے لیکن اس تاریخی خلاصے کی ضرورت سے ہم لفظ جنوبی ہندوستان میں دکن اور نربدا اور وندھیاچل کے تمام حصۂ زیرین کو بھی شامل کئے لیتے ہیں اس طرح اس میں وہ تمام رقبہ آجائے گا جسے قدیم زمانے میں شمال کے ہندو جنوب (دکن = دکشنا = جنوبی) کہتے تھے۔

جنوب کی زبانیں جنوبی ہند کے باشندے دراوڑی خاندان السنہ میں سے

کوئی نہ کوئی زبان بولتے ہیں جن میں سے بڑی بڑی تلنگی (شمال اور مشرق) کنڑی (شمال اور مغرب) تامل (جنوب) اور ملایالم (مغربی ساحل) ہیں، دو بولیاں تولو اور کوڈاگو (یا کورگ) اور ہیں جو چھوٹے چھوٹے قطعوں میں محدود ہیں، لیکن ان کے سوا ٹوڈا، کوٹا اور دوسری پہاڑی قومیں دوسری چھوٹی چھوٹی بولیاں بھی بولتی ہیں جن میں غالباً ایسے اصلی اور قدیم الفاظ کا ایک بڑا جزو شامل ہے جو دراوڑیوں کے ابتدائی حملوں سے بھی صدیوں پیشتر کے ہیں، ملایالم اور تلنگی کے ملکوں میں بولیوں کا کچھ زیادہ تنوع و تعدد نہیں معلوم ہوتا لیکن تامل بولنے والوں میں لسانی اختلافات ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر زیادہ عرصے تک نہیں تو کم از کم دو ہزار سال تک تامل لوگ جدا جدا قومیتوں میں تقسیم رہے جن پر چولا اور پانڈیا تاجدار حکومت کرتے تھے چیرا بادشاہوں کی رعایا زیادہ تر کنڑی بولتی تھی اور پلاوا خاندانوں کی غالباً وہ تامل اور تلنگی استعمال کرتی تھی جو اضلاع چولا میں رائج ہے، رقبۂ زیر بحث میں صرف مرہٹی ہی ایک غیر دراوڑی زبان ہے جو کوکن اور
مغربی دکن میں بولی جاتی ہے، جنوب میں ہندوستانی انگریزی زبان کی طرح (۳۲۲)
عام استعمال کی ایک غیر زبان تو ہے لیکن شمالی ہند کے برخلاف یہ یہاں کے باشندوں کی زبان نہیں ہے ؎

باشندے نہایت ہی قدیم زمانے میں جنوبی ہند کے اصلی باشندے دراوڑی حملہ آوروں کے غولوں سے مغلوب ہوئے اور بھاگ کر پہاڑوں اور ویران حصوں میں چلے گئے، جہاں ان کی اولاد اس وقت تک پائی جاتی ہے بہت عرصے بعد شمال کے آریاؤں نے دراوڑیوں کو مطیع کیا اور زبردست فرمانرواؤں کے ماتحت طبقات رعایا کو مہذب بنا کر رکھا، یہ طبقے غالباً قدیم دراوڑی تقسیم ممالک پر بھی قائم تھے، جنوب کی قدیم ترین معلومہ حکومتیں وہ ہیں جن پر پانڈیا چولا اور چیرا حکومت کرتے تھے ان کا ذکر قدیم یونانیوں اور اشوک (۲۵۰ ق م) کے فرمانوں میں ہے، یہ امر کہ یہ مرفہ الحال قومیں تھیں قدیم مرقومات سے ثابت ہے چنانچہ

راماین پانڈیوں کے دارالسلطنت مدورا کی تعریف میں بیان کرتی ہے کہ اس کے دروازے زرنگار اور جواہر دار تھے۔ جیسا کہ ملک کی روایتی تاریخ سے ظاہر ہے آریا خاص دراوڑی حکومتوں پر جانشین ہوئے۔ راویوں کا بیان ہے کہ پہلے آریا راجہ پانڈیا نے آریا راجہ چولا کی لڑکی سے شادی کی اس سے پایا جاتا ہے کہ آریائی فتوحات کے ابتدائی ایام سے اس ملک میں کم از کم دو تامل حکومتیں موجود تھیں، ان آریائی فتوحات کی تاریخ بہت ہی مشتبہ ہے لیکن ڈاکٹر آر جی بھنڈارکر یہ امر فرض کرنے کی وجوہ پیش کرتا ہے کہ یہ واقعہ ساتویں اور چوتھی صدی قبل مسیح کے درمیان کا ہے، غالباً ساتویں صدی کا زمانہ زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے، ڈاکٹر بوہلر نے اپنی کتاب "ہندوستان کے قدیم رسم الخط" (Indian Paleography) دفعات ۵ اور ۸ میں اشارہ کیا ہے کہ ہندوستان میں سامی حروف تہجی کا رواج تقریباً ۸۰۰ قبل مسیح میں یا شاید اس سے بھی پہلے ہوا اور خروشتی ابجد کی ابتدا تقریباً پانچویں صدی قبل مسیح میں، اگر آریوں کی فتح جنوبی ہند مؤخرالذکر تاریخ کے بعد ہوتی تو گمان غالب تھا کہ دراوڑی تامل خروشتی طرز تحریر اختیار کر لیتے، تامل حروف کی قلیل تعداد اور سادہ شکلیں جو قریب قریب یقیناً سامی یا شاید آرامی اور حمیری چشموں سے نکلی ہیں اس امر کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ یہ خروشتی کی ایجاد سے پہلے مروج اور مستقل ہو چکی تھیں۔

مذہب — مذہب کے معاملے میں جنوبی ہند کے باشندے زیادہ تر دراوڑی کہے جا سکتے ہیں، آریائی ہندو مت محض برائے نام اور ایک خول کے مثل تھا، بڑے بڑے مندر البتہ آریائی دیوتاؤں سے منسوب ہیں لیکن لوگ ان میں تہوار کے موقعوں کے علاوہ بہت کم جاتے ہیں ان کی روزانہ زندگی کا مذہب قدیم زمانے سے اس وقت تک

ملاحظہ (Early History of the Deccan) بمبئی گزیٹیر جلد اول حصہ دوم صفحہ ۱۴۱۔

وہی ہے جو ان کے بزرگوں کا تھا یعنے وہ مقامی دیوتاؤں اور سرپرست دیویوں اور دیوتاؤں کی پوجا پاٹ اور شیاطین کی خوشامد درآمد کرتے ہیں۔ اول الذکر ص ۲۳۳
کو دنیوی برکات کے لیئے پوجتے ہیں اور آخر الذکر کو ان کا قہر دور کرنے کیلیے نذر اور بھینٹ چڑھاتے ہیں، درخت بھوتوں کا مسکن خیال کیئے جاتے ہیں اور مار پرستی عالمگیر ہے، شیوا اور وشنو کی پرستش عملاً اعلیٰ طبقوں تک محدود ہے اور غالباً ہمیشہ یہی ہوتا رہا ہے، ایک زمانے میں البتہ بودھ مذہب کا زبردست اثر چھایا ہوا تھا اور یہ تقریباً ایک ہزار برس تک یعنے دوسری صدی قبل مسیح سے آٹھویں یا نویں صدی عیسوی تک چھایا رہا۔ اس عہد کے اوائل میں بہت سے اسٹوپ اور خانقاہیں تعمیر ہوئیں، آخر الذکر میں سے بعض ٹھوس چٹانوں میں تراشی ہوئی ہیں اور بعض عمارتی اسٹوپ (مثلاً دریائے کرشنا کے کنارے امراوتی کا) عجیب شان و شوکت رکھتے ہیں، جین مت بھی ایک مدت تک وسعت کے ساتھ رواج پا گیا تھا بلکہ چند جینی فرقے اب تک موجود ہیں لیکن بودھ مذہب بالکل فنا ہو چکا ہے۔

کانجی ورم اور مدورا مذہب کے دو زبردست مرکز ہیں لیکن وشنوا برہمن لوگ دو فرقوں میں تقسیم ہیں اور ان میں سخت مخالفت ہے ایک وڈگلی فرقہ یا شمال کے باشندوں کا ہے جو ویدوں کے سنسکرت متون کو مطلقاً نہیں چھوڑتا اور دوسرا ٹینگالی یا جنوبیوں کا جو ویدوں کا تامل ترجمہ استعمال کرتا ہے شیو کے لنگ کی پرستش کنڑی اضلاع میں عام طور سے رائج ہے۔

دراوڑی نسل

ذات کے مسئلے کو دیکھا جائے تو برہمن آریائی فتوحات سے اب تک سب پر غالب ہیں لیکن اب تعلیم یافتہ شودران کو سختی کے ساتھ دبا رہے ہیں، کشتریوں کی جنجو ذات جنوب میں بالکل معدوم ہے، تاجروں میں چند بڑے خاندان ویش ہونے کا دعوی کرتے ہیں لیکن اس دعوے کے ثبوت بہت کمزور ہیں اس لئے یہاں کی آبادی یا تو برہمنوں اور شودروں کی ہے یا پیری یا ہون کی، پیریاہ، قدیم دراوڑی نسل سے ہیں، مسلمان بھی ہر جگہ ملتے ہیں اور بعض

حصوں میں ان کی تعداد کثیر ہے، لیکن وہ جزیرہ نما میں دکن کی طرح حکومت کے ساتھ کبھی آباد نہیں ہوئے، چودھویں صدی میں ان کی فاتحانہ لہر کو وجیانگر کے راجاؤں نے دریائے تنگ بھدرا اور کرشنا کے کناروں پر روک دیا[1] اور جب آخر سولھویں صدی میں ان راجاؤں کا قلع قمع ہو گیا تو مسلمانوں میں اتحاد نہ تھا اور پھر تھوڑے عرصے بعد مرہٹوں نے ان کو جنوب میں داخل ہونے سے روک دیا، پس اس وقت دریائے تنگ بھدرا کا جنوبی ملک تمام ہندوستان کا سب سے زیادہ خالصاً ہندو حصہ ہے، دراوڑی مندروں کی دقیق سنگ تراشی، بھاری چھتیں اور گوپورم گنبد ملکی ترقی کا نتیجہ ہیں، اسکے نشو و نما کے تمام مدارج کا پتہ لگایا جاسکتا ہے، خصوصاً ساتویں صدی عیسوی کے سکوں اور تمغوں کے مطالعے سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے، جنوبی ہند میں قیمت کا معیار زمانۂ دراز سے سونا چلا آتا تھا، اور جن بیرونی اثرات نے شمالی حکومتوں کے سکوں میں ردو بدل کی ان کا نشان جنوب میں مشکل (۳۴۴)
سے ملے گا۔

دراوڑی نسل کی سپاہیانہ حیثیت

معلوم ہوتا ہے کہ قدیم زمانے میں دراوڑی نسل ایک جنگجو قوم رہی ہے اور جیسا کہ گاؤں کے بہت سے یادگاری حجری کتبوں سے جو شجاعانہ موتوں کی یاد میں نصب کیے گئے تھے ظاہر ہوتا ہے بہادر آدمی کی بڑی عزت ہوتی تھی، مالابار میں سوسائٹی کی بنیاد کی یہ ترتیب کہ نائر جنگی قوم شمار کی جاتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ سپاہ کی تعداد بہت بڑی تھی، ایک پرتگالی[1] وقائع نگار بیان کرتا ہے کہ سولھویں صدی عیسوی میں وجیانگر کا راجہ سات لاکھ سے زیادہ فوج میدان میں لے گیا تھا اور اس کی حکومت جنگی ملازمت پر قائم تھی، حیدر علی کی فوج زیادہ تر دراوڑیوں پر مشتمل تھی اور کچھ عرصے بعد تلنگانے نے اُن

نوٹ نمبر[1] - دیکھو دولت فراموش شدہ (A Forgotten Empire, Sewell)
۱۴۷ - الیف اور اسکے آئندہ صفحات ۳۲۶ - ۳۲۸ - ۳۷۳ - ۳۸۴ - ۳۸۹ ۔

سپاہیوں (تلنگوں) کو اپنے نام سے موسوم کیا جن کو یورپیوں نے پہلے پہل قواعد سکھائی تھی، ان کا یہ نام آجتک چلا آتا ہے ؛

ان کی جہاز رانی قدیم زمانے میں ساحل کے باشندے ضرور دلیر جہاز راں ہوں گے، بودھوی جاتکاشاہد ہیں کہ پانچویں صدی قبل مسیح تک مغربی ایشیا بشمول بابل اور ہندوستان کی مغربی بندرگاہوں کے درمیان بحری تجارت وسیع پیمانے پر جاری تھی، اور ویدیں بھی تصدیق کرتے ہیں کہ اس تجارت کا وجود اس سے بھی بہت پہلے[۱] زمانے میں تھا، پہلی نصف صدی عیسوی میں جب رومیوں کا جزیرہ نما ہند سے تعلق شروع ہوا تو انھوں نے دیکھا کہ خلیج فارس اور لنکا سے اس کی تجارت مستقل طور سے قائم ہے، سپلنی (کتاب ۶) بیان کرتا ہے کہ ہندوستانی جہاز جن کے ذریعے وہ لنکا سے تجارت کرتے تھے، اس قدر بڑے بڑے تھے کہ ان میں تین سو دو سو یونانی کشتیاں (ایمفورا) سما سکتی تھیں، شرقی ساحل پر اندھرا خاندان (اندازاً ۲۰۰ ق م سے ۲۵۰ عیسوی تک) کے سکے بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں ان میں سے اکثر پر دو مستولوں جہاز ول کی تصویر ہے جو ظاہرا بہت بڑے معلوم ہوتے ہیں ؛

تاریخ

نہایت قدیم سلطنتیں جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا نہایت قدیم زمانے میں جنوبی ہند کے اصلی باشندے دراوڑیوں سے مغلوب ہو گئے تھے، پھر دراوڑیوں کی باری آئی اور وہ شمال کے آریاؤں سے مغلوب ہوئے انھوں نے پرانی حکومتوں پر قبضہ کر لیا اور وہ خاندان قائم کیے، جو پندرھویں صدی عیسوی تک باقی رہے، رامائن میں گوداوری

---

[۱] بوہلر (انڈین پیلیوگرافی فقرہ ۵) اس شہادت کی تلخیص کرتا ہے اور فوٹکس انٹی کویٹری جلد ۱۶ ۱۸۸۶ء صفحہ (۷) ؛

اور کرشنا کے اندھروں، مدورا کے پانڈیوں، تنجور کے چولوں اور مغربی ساحل کے کریلوں یا چیروں کا ذکر موجود ہے، یونانی جغرافیین بھی ان کو جانتے تھے، اشوک (۲۵۰ قبل مسیح) نے بودھوی فلسفے کی تعلیم کے لیئے ان میں اپنے داعی بھیجے تھے اسی مقصد کے لیے اس نے پلندوں (نربدا کے قریب)
(۲۲۵) اسنکوں (مہاراشٹر کے راشٹرکوٹوں اور رٹوں کے پیشرو) پیٹی نی کون، (پٹین (دکن کے) اور شمالی کونکن کے بھوجوں اور ایرانتوں کے ہاں بھی سفیر بھیجے، یہ فہرست غالباً ان تمام اقوام کے ناموں پر مشتمل ہے جو اس وقت معلوم تھیں، باقی ماندہ دکن ایک غیر آباد جنگل تھا جس کو ڈنڈکا رنیا یا ڈنڈک بن کہتے تھے، کاکنی یا کانچی ورم کے پلاوا، جو بعد میں دکن اور مشرقی ساحل پر بہت طاقتور ہو گئے تھے، بظاہر اس وقت معرض وجود میں نہیں آئے تھے، پلاوا اگر یہ وہی پہلوی ہیں جن کی اصل غالباً ایرانی تھی (فلیٹ بمبئی گزیٹیر جلد اول حصہ دوم صفحہ ۳۱۷ وغیرہ) تو یہ ناسک کے ایک کتبے میں مذکور ہیں جو تقریباً ۱۵۰ عیسوی کا ہے اور الہ آباد کی لاٹھ کے کتبے میں بھی ان کا ذکر موجود ہے جو تقریباً چوتھی صدی کے وسط کی ہے، اس کتبے میں بیان کیا گیا ہے کہ انھوں نے گپتوں (کتاب مذکور صفحہ ۲۸۰) سے شکست کھائی اور اس وقت دوسرے جنوبی سردار جن کے شکست کھانے کا ذکر بھی اسی طرح موجود ہے کریئل پشتا پور کٹور دیگی اور دیگر مقامات کے فرمانروا تھے، پلاوا آخر الذکر کتبے کے وقت مستقل طور سے قائم ہو گئے تھے۔

اندھرا۔ ساتواہن کے زبردست خاندان اندھرا کا زمانہ تقریباً ۱۸۰ قبل مسیح سے شروع ہوتا ہے، انھوں نے کرشنا کے کنارے دھان کٹک کو اپنا مستقر بنایا اور پر جوش بودھ ہونے کے سبب سے وہاں امراوتی اسٹوپ تعمیر کیا جو انسانی ہاتھ کی بنائی ہوئی عمارتوں میں زہد و اتقا کی ایک نہایت پر صنعت اور بیش بہا یادگار ہے، ان کی سلطنت میں تمام وسط ہند شامل تھا اور وہ اس ساحل سے

اُس ساحل تک حکومت کرتے تھے، ان کے جنوب میں جلیل القدر تامل حکومتیں
واقع تھیں، کچھ عرصے بعد سیتھیوں نے شمال سے جنوب کی طرف یورش کی اور
جنگ برپا ہو گئی ناسک کے ایک کتبے میں اندھرا خاندان کے گوتمی پتر
کی بابت مذکور ہے کہ اُس نے ساکیوں، یونیوں اور پہلویوں کو شکست
دی، ساکیوں کا سردار کشترپ نہپان تھا یہ ۱۲۵ عیسوی کے قریب کا واقعہ
ہے پچیس سال بعد ساکیوں کا ایک سترپ رُدرادامن اندھرا راجہ سے لڑا
اور جوناگڑھ کے ایک کتبے کے بموجب دو مرتبہ اس پر فتحیاب ہوا، لیکن
معلوم ہوتا ہے کہ فتح دراصل ہندوؤں کو حاصل ہوئی تھی کیونکہ ساکیوں کی
فتوحات وندھیاچل کے جنوب میں وسعت کے لحاظ سے بہت ہی
محدود تھیں۔

بظاہر عہد اندھرا میں ہر طرف خوش حالی اور ترقی تھی، بری اور
بحری دونوں تجارتیں مغربی ایشیا، یونان، روم اور مصر اس کے سوا چین
اور مشرق کے ساتھ جاری تھیں، سفارتوں کی بابت بھی کہا جاتا ہے کہ
وہ جنوبی ہند سے روم کو بھیجی گئیں، ہندوستان کے ہاتھی ملک شام کی جنگ
میں استعمال کیے گئے تھے، پلینی کہتا ہے کہ نقدی کی ایک بہت بڑی
مقدار ہر سال روم سے ہندوستان آتی تھی اور اس امر کی تصدیق پیری پلس
کا مصنف بھی کرتا ہے، رومی سکے جزیرہ نما بالخصوص جنوب میں کثرت
کے ساتھ پائے جاتے ہیں، قرائن سے ترشح ہوتا ہے کہ ۶۸ء میں بہت
سے یہودی رومیوں کے مظالم سے بھاگ کر جنوبی ہند کے ہمدرد ساحلی ۲۲۶
باشندوں میں پناہ گزیں ہوئے اور مالابار میں آباد ہو گئے۔

اندھرا خاندان کی دو بڑی شاخیں معلوم ہوتی ہیں یعنی مشرقی علاقوں کے فرمانروا جن کا
دار السلطنت دھان کیٹک تھا اور ولیعہد مغربی ملک پر حکمرانی کرتا تھا جن کا دار السلطنت پیٹھن تھا۔
یہ امر معلوم نہیں کہ کیوں اور کس طرح اندھرا حکومت کا خاتمہ ہوا لیکن پانچویں
صدی عیسوی کے شروع میں ہمیں حالات کا رنگ بدلا ہوا نظر آتا ہے قدیم جنوبی
حکومتیں بہت کچھ اپنی پہلی حالت پر باقی تھیں لیکن پلاوا اُس ملک کے بہت بڑے

جنوب پانچویں صدی عیسوی میں۔

حصے پر پھیل گئے جہاں پہلے اندھرا[51] حکومت کرتے تھے اور تاریخ میں نئے خاندانوں کے نام نمودار ہوتے ہیں، تلسی کے چین کدم باؤں نے ظاہراً چھٹی صدی میں پلاؤن اور میسور کے راجہ گنگا کو شکست دی اور اُس ملک میں قدم جما لیئے جس کو اب جنوبی مرہٹواڑی کہتے ہیں اور جس کی حدود میسور پر ختم ہوتی ہیں ان کے شمال میں راشٹر کوٹ دیگر مرہٹی اضلاع پر قابض تھے، یہ خاندان غالباً ایک زمانے میں اندھرو کا مطیع تھا لیکن سنین زیر بحث میں آزاد اور وندھیا کے شمال و جنوب میں اچھی طاقت رکھتا تھا، شمال کی جانب سے ان کو گپتون نے دبانا شروع کیا اور شمال مشرق سے (روایت کے بموجب) قدیم چالکیا نے، لیکن اس وقت جنوب کی سب سے زبردست قوم غالباً پلاوا تھی جو کانچی کے نواح میں اپنے آبائی قطعات کے علاوہ مشرقاً علاقہ وینگی پر بھی قابض تھی اور مغربی جانب مرہٹوں کے کم سے کم ایک حصے پر یہاں کدم بون نے جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا، ان کی پیش قدمی کو روک دیا۔

پانچویں صدی کے اختتام[52] کے قریب، جب کہ پلاوے چندا وندا کی سرکردگی میں قطعی طور پر شکست پا گئے، ہم اس علاقے کی تاریخ سے تقریباً

---

[51] اگر ڈاکٹر فلیٹ کا قیاس کونڈ موڈی اور میڈ وولو کے پلیوں کا عہد قائم کرنے میں صحیح ہے (ایپی گریفیا انڈیکا۔ جلد ۶ صفحہ ۸۴ + ۳۱۵) تو معلوم ہوتا ہے کہ اندھرا فرمانروا گوتمی پتر سات کرنی و اشستھی پتر پلومائی کے عہد حکومتوں سے کسی قریب کی تاریخ میں پلاوون نے ان کے تلنگی ملک کو شمال میں کم از کم دریائے کرشنا تک کامل طور سے فتح کر لیا تھا اور پلاوا خاندان کے حکمران سیوس کندور من اندھروں کے دارالحکومت دہان کٹیک پر قابض ہو چکا تھا ڈاکٹر برگیس دونوں مذکورالصدر اندھرا راجاؤں کو [illegible] تا ۱۶۷ء کے عہد سے منسوب کرتا ہے (امراوتی اور جگیا پیٹ بودھوی اسٹوپ صفحہ ۳) ڈاکٹر بھنڈارکر کا خیال ہے کہ پلومائی ۱۵۸ء میں مرا یہ اغلب ہے کہ پلاوا نے دکن اور شرقی ساحل پر آئندہ دو صدیوں میں سیادت حاصل کر لی ہو۔

[52] یہ تاریخ بہت مشتبہ ہے، دیکھو فلیٹ کی کتاب "کنڑی اضلاع کے خاندان" بمبئی گزیٹیئر جلد اول حصہ دوم صفحہ ۲۸۹ + ۲۹۱ + ۳۲۱۔

کچھ واقفیت نہیں رکھتے کہ جب راجہ راوی ورمن نے ان کو مرہٹی ملک سے نکال دیا ۳۲۷
اور ہلسی کو اپنا دارالسلطنت قرار دیا، ایک صدی بعد پلکیسن اول کے عہد میں
بادامی چالوکیوں کا عروج ہوا جس نے پلاؤں کی طاقت کو اور بھی کم کر دیا بادامی
اس وقت چالوکیوں کا دارالسلطنت بن گیا اور پلاوا اپنے مشرقی اور جنوبی
مقبوضات[1] میں کنارہ کش ہو گئے اس کے بعد ہم ہلسی کے کدم بون کا حال
اس قدر کم سنتے ہیں کہ یہ فرض کر لینا چاہیے کہ وہ بہت جلد چالوکیوں کی روز افزوں
طاقت سے مغلوب ہو گئے کیونکہ مؤخر الذکر طاقت اس وقت دکن میں سب سے
زیادہ اہمیت رکھتی تھی اور ان کی یہ حیثیت تمام حملہ آوروں کے مقابلے میں دو صدیاں
تک قائم رہی۔

چیلوکی۔ چلوکی فرمانروا کرتی ورما اول جو ۵۶۶-۶۷ء میں تخت نشین ہوا
بہت بڑا جنگجو تھا اس کے ایک کتبے میں اس کے متعلق یہ لکھا ہوا
ہے کہ اس نے جزیرہ نما کے تمام فرقوں اور قوموں کو فتح کیا ان میں سے سترہ
کے نام بھی درج ہیں، ان میں بن واسی اور ہانگل کے کدم بون کے نام بھی مذکور
ہیں جو سرداروں کے طور پر حکومت کرتے تھے لیکن کامل اختیارات نہیں
رکھتے تھے، ان کو اس نے مطیع کیا، بودھوی درویش دھرم گپت اس عہد
اور آیندہ عہد میں زندہ تھا اس نے ۵۹۰ اور ۶۱۶ء کے درمیان کئی مذہبی
تصنیفوں کا ترجمہ چینی زبان میں کیا، کرتی ورمن خود وشنو کا ایک پرجوش
پجاری تھا، اس نے بادامی میں ایک شاندار چٹانی مندر کی تعمیر شروع کی اس کی
جگہ اس کا بھائی منگلیسا ۵۹۷ یا ۵۹۸ میں تخت پر بیٹھا اس نے ماتنگیوں کو
جو ایک وحشی اور شاید دراوڑی فرقہ تھا تباہ کر کے چلوکیوں کی قوت کو بڑھایا۔ کٹچوری
حکمران بودھ راجہ کو جو جینی تھا شکست دینے اور چلوکیوں کی کسی شاخ کے
سردار سوامی راجہ کی بغاوت کو فرو کیا۔ سوامی راجہ مارا گیا اور اس کا علاقہ

---

[1] قدیم پلاوی راجاؤں کے شجرہ نسب کے لیے دیکھو ڈاکٹر فلیٹ کا مضمون بمبئی گزیٹیر جلد اول حصہ دوم صفحہ ۳۲۹۔

ملحق کر لیا گیا۔

کٹ چھری وسط ہند کے ایک قدیم حیدی خاندان سے تعلق رکھتے تھے اور ان کے جانشین کلچھری جیسا کہ آیندہ معلوم ہوگا، بارھویں صدی میں تھوڑے عرصے کے لئے بہت طاقتور ہو گئے تھے۔

پلکی سین ثانی

۶۰۸ یا ۶۰۹ء میں کرتی ورمن کا بیٹا پلکی سین ثانی منگلیسا کا جانشین ہوا۔ آخر الذکر نے بظاہر اپنے بیٹے کے لئے تخت حاصل کرنے کی سعی میں جان دی۔ پلکی سین دوم کا عہد سلطنت بہت ہی پر واقعات تھا، اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے جنوب کی تمام قوموں کو مطیع و منقاد کر لیا تھا اور اس کے متعلق کتبوں کی عبارات کو تسلیم کئے بغیر بھی یہ امر یقینی ہے کہ اس نے چلوکیوں کی طاقت کو بہت ہی وسعت دی اس نے موریوں کو کونکن سے نکال دیا، بن واسی کے کدم بون اور راشٹر کوٹوں کے اثر کو کچھ عرصے کے لئے دبا دیا، جنگ کرتا ہوا جزیرہ نما کے شرقی ساحل تک پہنچ گیا اور پتھاپورم کے قلعے کو تسخیر کیا اور حکومت کا لنگا پر جس کا صدر مقام پوری تھا، حملہ کر کے اس کو زیر کر لیا، اس کے بعد اس نے اپنی سب سے بڑی فتح قنوج کے مہاراجہ ہرش وردھن سلادتیا کی پسپائی سے حاصل کی، بعد ازاں اس نے جنوب کی جانب پلاووں کے فرمانروا مہندر ورمن پر چڑھائی کی، لیکن کانچی کے قریب جب اس کی پیش قدمی کو روک دیا گیا تو اس نے کاویری کو عبور کر کے چیوں پانڈیوں اور کیرالوں کے علاقے پر حملہ کیا، اگرچہ اس کی جنوبی مہمات کو فتوحات کے بجائے غالباً بے قاعدہ چھاپے خیال کرنا چاہیے لیکن مشرق میں معاملہ بالکل برعکس تھا۔ ۶۱۱ء کے قریب جب اس نے یہ دیکھا کہ وہ فتوحات کے ساتھ حکومت کا کام نہیں چلا سکتا تو اس نے اپنے بھائی کبجا وشنو وردھن کو بادامی میں اپنا نائب مقرر کیا اور اپنی واپسی پر اس کو اپنے نئے شرقی علاقے پر قبضہ کرنے کے لئے بھیج دیا، چنانچہ وشنو وردھن وینگی کو روانہ ہوا یہ مقام گوداوری اور کسٹنا کے ڈیلٹاؤں کے درمیان واقع تھا، وہاں کچھ عرصے بعد وہ خود مختار بادشاہ بن گیا اور ۳۴۸

زبردست فرمانرواؤں کے ایک طویل سلسلے کا بانی ہوا۔ اس زمانے سے چلوکیوں کے دو علٰحدہ علٰحدہ خاندان ہو جاتے ہیں، ایک مغربی خاندان جس کا دارالسلطنت بادامی تھا اور دوسرا مشرقی جس کا صدر مقام وینگی تھا، پلاوا کچھ عرصے کے لئے اپنے مفتوحہ اضلاع سے محروم رہے اور اپنے ملک میں واپس ڈھکیل دیے گئے۔

اس عہد میں چینی زائر ہیون سانگ ہندوستان آیا اور وہ پلکی سین دوم اور قنوج کے راجہ ہرش کا ذکر کرتا ہے، اس کے بیانات سے ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ بودھ مت اور برہمنیت اس زمانے میں لوگوں کے دلوں پر مساوی اقتدار رکھتی تھیں، پلکی سین دوم کو ایران کے خسرو ثانی نے ایک بڑا شہنشاہ تسلیم کیا اور دونوں کے درمیان تحائف اور مراسلات کا تبادلہ ہوا۔

ایک حکومت کے اختتام پر معلوم ہوتا ہے کہ پلاوا جنوب کی دوسری ریاستوں کی امداد سے پھر زور پکڑ گئے، نرسیم ہورمن کی سرکردگی میں انھوں نے بادامی پر کامیاب حملہ کیا اور نہ صرف یہ دعوی کیا جاتا ہے کہ اس شہر پر قبضہ کر لیا اور اس کو جلا دیا گیا بلکہ یہ کہ بادامی تیرہ سال تک بغیر کسی حکمراں کے پڑا رہا، یہ امر کہ چلوکیوں کی طاقت کو سخت صدمہ پہنچا خود ان کے کتبوں کے اعترافات سے مترشح ہوتا ہے یہ واقعہ غالباً ۶۴۲ء کا ہے۔ وکرما جیت اول جو ۶۵۵ء سے ۶۸۰ء تک حکمراں رہا اپنے باپ کی طرح جنگجو تھا، سلطنت کو دوبارہ مضبوط اور اپنے اقتدار کو اچھی طرح قائم کر کے اس نے اپنے جنوبی دشمنوں سے ایسی سخت جنگ کی کہ پلاوا کو کامل شکست ہوئی کانچی پر تسلط کر لیا گیا اور چولوں اور پانڈیوں کی حالت اس قدر کمزور ہو گئی تھی کہ کم از کم اس کے عہد میں انھوں نے کوئی مزید تکلیف نہ دی۔

وکرما جیت کی لڑائیوں میں اس کے طاقتور بیٹے ونیا جیت نے اس کی مدد کی جو اس کے بعد اس کا جانشین ہوا اور ۶۸۰ء سے ۶۹۶ء تک فرمانروا رہا یہ بھی جنوب کے تمام حکمرانوں پر فتحیاب ہونے کا مدعی ہے لیکن ان فتحیابیوں

کی بابت اس نے صاف کہا ہے کہ وہ اس کے باپ کے عہد میں اس کی سپہ سالاری
۳۲۹ کے دوران میں حاصل ہوئیں کیونکہ بظاہر اس نے اپنے عہد میں محض اپنی حالت کو قائم رکھا اور کوئی مزید پیش قدمی نہیں کی ہے

اس کا جانشین وجیادت سنہ ۹۹۶ء سے ۱۰۳۳ء تک حکمراں رہا، معلوم ہوتا ہے کہ اس کے تعلقات راشٹرکوٹوں سے دوستانہ رہے جن کے فرمانروا اندرا راجہ نے چلوکیوں کی ایک شہزادی سے شادی کی اس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام دنتی درگا تھا؛

وجیادت کا بیٹا بکرماجیت ثانی ۱۰۳۳ء میں تخت نشین ہوا، اور ۱۰۴۳ء یا ۱۰۴۴ء تک حکمراں رہا، اس کے عہد میں پلاؤں نے سر ابھارا اور اس قدر کامیابی کے ساتھ کہ وہ ان پر تین فتوحات کا حال قلمبند کرتا ہے۔ یہ واقعات اس امر کا اعتراف ہے کہ اس کے دشمن بہت طاقتور تھے۔ بکرماجیت کی بابت کہا جاتا ہے کہ اس نے پلاؤوں کے راجہ نندی پوٹ ورمن کو قتل کیا اور کانچی میں فاتحانہ داخل ہوا۔ اور یہ واقعہ بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے، عطیہ وکالیسری کی تحریر سے پایا جاتا ہے کہ کانچی کی دولت اور خوبصورتی اسے بہت پسند آئی تھی، کانچی ایک بڑا شہر تھا جس میں کئی نفیس مندر تھے اور فاتح نہ صرف اسے برباد کرنے سے باز رہا بلکہ اسنے بعض مندروں کے لئے سونے کے چڑھاوے منظور کرکے شہر کی عزت بڑھا دی، بکرماجیت اپنے پیش روؤں کے مانند تمام جنوبی فرمانرواؤں پر فتح پانے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن اصلیت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اگرچہ وہ بہت سی لڑائیاں لڑا لیکن اس قدر ریاستوں کی عملی مخالفت سے اسکی طاقت میں بے حد ضعف آگیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے بعد سلطنت بہت جلد

سلہ) Ind. Ant.) انڈین انٹی کوئری جلد (۸) صفحہ ۲۳- ایپی گریفیا انڈکا جلد ۵ صفحہ ۲۰۰-۲۰۲ ہلٹش ساؤتھ انڈین انسکرپشن جلد اول صفحہ ۱۴۶؛

سر کے بل آرہی کیونکہ کرتی ورما دوم پر جو ۷۴۶ء یا ۷۴۷ء میں جانشین ہوا تھا ۷۵۳ء سے ذرا پہلے دنتی درگا نے حملہ کیا جس میں اول الذکر کو کامل شکست ہوئی اور وہ اپنے شمالی اور مغربی علاقوں سے محروم کر دیا گیا، اسکی کامل تباہی سنہ ۷۶۰ء میں ہوئی، اس وقت راشٹر کوٹوں کا راجہ کرشن اول تھا، اس طرح سے مغربی چلوکیوں کی سلطنت کا خاتمہ ہوگیا اور پھر وہ دو صدی سے اوپر تک نہ پنپ سکے لیکن مشرقی شاخ برابر پھولتی پھلتی رہی۔

راشٹرکوٹ اب کنڑی بولنے والے اضلاع کے ایک بڑے حصے پر حکمراں ہوگئے اور سب نے دنتی درگا کی سیادت تسلیم کرلی، اس کے قریبی جانشینوں نے مشرقی چلوکیوں اور پلاووں سے چند بے قاعدہ لڑائیاں کیں لیکن صدی کے اختتام تک کوئی ایسا اہم واقعہ پیش نہیں آیا جس سے جزیرہ نما کی سیاسی حالت میں کوئی انقلاب ہوتا، برسبیل تذکرہ یہ بیان کردینا چاہیے کہ شنکر آچاریہ جو بدھ مذہب کا سخت دشمن تھا، اسی زمانے میں گذرا ہے اس کی کوئی تاریخ ابھی تک متعین نہیں ہوسکی لیکن ۷۸۸ء اور ۸۲۰ء کے ۲۳۰
درمیان کا زمانہ اس کا عہد سمجھا جاتا ہے، اس عہد کا ایک اور مصنف اکالنک تھا، اس کا سرپرست راشٹرکوٹ راجہ کرشن اول (تقریباً ۷۷۰) تھا،

میسور اب مغربی گنگاؤں۔ گنگ بانوں اور گنگ پلاووں کے نیم آزاد خاندانوں کے زیر فرمان ہوگیا۔

آٹھویں صدی کے اخیر میں جنوبی ہندوستان کی سیاسی حالت یہ تھی کہ کالنگا اور مشرقی دکن پر مشرقی چلوکی خاندان حکمراں تھا اور وسطی اور مغربی دکن راشٹرکوٹوں کے زیر فرمان تھا اور جنوبی حکومتیں اپنے قدیم علاقوں پر قابض تھیں۔

انتہائے جنوب کی حکومتوں کے متعلق اس زمانے تک تقریباً کوئی بات قابل ذکر نہیں، اور اس تمام خاکے میں ہم اس امر کو پیش نظر رکھیں گے کہ ان کے متعلق ہماری معلومات نہایت قلیل ہے، سبب یہ ہے کہ ان کے کتبات جو ابتک شائع ہوچکے ہیں انتہائے شمال کے خاندانوں کے کتبوں

سے بہت اختلاف رکھتے ہیں، اور اکثر ان میں بادشاہ کے نام اور سن جلوس کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا جس کی وجہ سے کسی مسلسل تاریخ کی ترتیب بہت مشکل ہو جاتی ہے، چھٹی صدی میں ان کی تجارت یقیناً ترقی پذیر تھی کیونکہ چینیوں کی قدیم تحریرات سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت چین اور جنوبی ہند کے درمیان سفارتی تعلقات بہت تھے اور ہیون سانگ جو ساتویں صدی میں کانچی آیا تھا بیان کرتا ہے کہ یہ شہر دولت مند اور خوبصورت تھا اور چھ میل کے دور میں پھیلا ہوا تھا (جولین کا ترجمہ جلد ۲ صفحہ ۱۰۸) اس زمانے یعنی سنہ ۵۰۰-۶۰۰ء کے بہت سے تامل شاعر اچھی شہرت رکھتے ہیں جن میں شیو کے پجاری تروناوکراسیر، تروناسمبندر اور سندرمورتی نائن نار کے نام لئے جا سکتے ہیں مانکیا واسگر بھی اسی عہد کا ہے۔

مشرق کے چلوکی۔ انتہائے جنوب کو تھوڑی دیر کے لئے چھوڑ کر ہم مشرقی چلوکیوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو دکن میں حکومت کرتے تھے، ڈاکٹر فلیٹ نے ثابت کیا ہے کہ ان کے پہلے بادشاہ کبجا وشنو وردھن اول کی آزاد حکومت غالباً سنہ ۶۱۵ء[۵۱] میں شروع ہوئی، یہ مغربی چلوکی پلکی سین دوم کا بھائی تھا لیکن اس واقعے کے علاوہ کہ ان ابتدائی بادشاہوں کو اپنی حکومت کے استوار کرنے کے لئے شمال میں کلنگ کے گنگوں سے اور جنوب میں پلاووں سے وقتاً فوقتاً لڑائیاں لڑنی پڑیں ہم کو ان کے متعلق صرف اسی قدر معلوم ہے کہ ان کے نام کیا تھے ان میں باہمی رشتہ کیا تھا اور انھوں نے کتنے کتنے عرصے حکومت کی البتہ ہم نرندر راجہ بگا راجہ (سنہ ۸۴۴-۸۹۵ء) کی بابت کچھ نہ کچھ جانتے ہیں جو اس عہد کے تھوڑے عرصے بعد کا حکمران ہے۔ جہاں تک ہم نے دکن کی تاریخ کو پہنچا دیا ہے اس کا دعویٰ ہے کہ وہ گنگوں اور راٹوں سے بارہ سال میں ۱۰۸ لڑائیاں لڑا، اول الذکر میسور[۵۲] میں حکومت کرتے تھے اور آخر الذکر راشٹرکوٹ

---

[۵۱] انڈین انٹی کویری جلد ۲۰ صفحہ ۱۲۔

[۵۲] میسور کے گنگا طاقتور سردار تھے اور ان کا خاندان آٹھویں صدی کے وسط سے

تھے، جو اب پرانے چلوکی دارالسلطنت میں مستقل طور پر آباد ہو گئے تھے نرمدراشیو کا پرجوش معتقد تھا اور اس نے بہت سے مندر تعمیر کرائے۔

راشٹر کوٹا۔ ۳۳۱

بادامی یا مغربی چلوکیوں کے مٹ جانے کے بعد پلاؤں سے، جن کا تخت معلوم ہوتا ہے کہ ایک مغربی گنگا شہزادے نے [illegible] میں چھین لیا تھا، دوبارہ شمال کی جانب بڑھنے کی کوشش کی اور [illegible] کے قریب راشٹر کوٹوں کے فرمانروا گووند سوم نے جو [illegible] سے [illegible] تک حکمراں رہا، گنگوی پلاوا راجہ ونگ کو شکست دی اور اپنے دوسرے تکلیف دہ ہمسایہ میسور کے گنگوں کے ملک میں گھس گیا۔ گووند کا جانشین اس کا بیٹا اموگھ ورش اول تھا جو ۶۳ سال کی طویل حکمرانی کے بعد ۸۷۷ء میں مرا، وہ جین مت کا پیرو تھا، اس کا مشیر جینا سینا تھا جو آدی پران کے ایک حصے کا مصنف ہے۔ اس صدی کے وسط میں اس نے اپنا دارالسلطنت مانیاکھیٹا میں منتقل کیا جو آجکل مالکھیڑ کہلاتا ہے۔ اس کے عہد میں جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا مشرقی چلوکیوں سے جنگ ہوئی اس کے بعد یہ تنازع دونوں قوموں میں اور بھی شدید ہو گیا۔ راشٹر کوٹوں کا اگلا فرمانروا کرشن دوم (۸۷۷ - ۹۱۵ء) کارناٹک اور مشرقی چلوکیوں کے خلاف لڑا لیکن بظاہر اسے کامیابی نصیب ہوئی۔ راشٹر کوٹوں کا دعویٰ ہے کہ انھوں نے وینگی کو تاراج کیا اور مشرقی چلوکیوں کا وجیا دتیہ سوم

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ دسویں صدی کے ختم تک باقی رہا۔ ان کا صدر مقام تالکاڈ تھا لیکن وہ ہمیشہ مغربی دکن کے فرمانرواؤں کے ماتحت رہے ان کے حسب نسب کے لئے دیکھو اپی گرافیا انڈیکا جلد ۶ صفحہ ۵۶ میں فلیٹ کا شجرہ۔

اپی گرافیا انڈیکا جلد ۵ صفحہ ۱۶۰ اور جلد ۴ صفحہ ۱۸۰۔

۵۲ اس زمانے میں انھوں نے اپنے نام کے پہلے الف کو اپنا لیا۔ اور اسی طرح اپنا نام لکھنے لگے۔

سنہ ۸۸۸–۹۴۴ء فخر کرتا ہے کہ اس نے راشٹر کوٹوں کے دارالسلطنت کو تسخیر کیا اور اس کو جلا دیا اور اس کی تصدیق غالباً دوسری مرقومات[۵۱] میں بھی موجود ہے، بہرحال واقعہ کچھ ہو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں حدود میں کوئی مستقل تبدیلی واقع نہیں ہوئی، گووند چہارم تقریباً (سنہ ۹۱۸–۹۳۴ء) بھی مشرقی چالوکیوں سے برسر جنگ رہا لیکن چالوکی بھیم دوم نے اس کو کامل شکست دی، یہ امر کہ ان کا یہ فخر بیجا نہ تھا۔ غالباً اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ میسور کے کتبوں کے بموجب اس زمانے میں ہم مشرقی چالوکیوں کو اس ملک میں پاتے ہیں اور اگر وہ راشٹر کوٹوں سے شکست کھا جاتے تو یہ صورت مشکل سے پیدا ہو سکتی تھی۔

پانڈیے

نویں صدی کے دوسرے نصف حصے میں پانڈیوں نے لنکا پر حملہ کیا اور سنگھالیوں کے فرمانروا سین اول (سنہ ۸۴۶–۸۶۶ء)[۵۲] کی شکست اور فراری کے بعد انھوں نے شہر انورادھاپور کو تاراج کیا لیکن چند سال بعد سین دوم (سنہ ۸۶۶–۹۰۱ء) نے نقشہ بدل دیا، اس نے پانڈیوں کے ملک پر حملہ کیا، ان کے دارالسلطنت مدرا کو تسخیر کر کے لوٹا اور حکمراں بادشاہ کی جگہ شاہی خاندان کے ایک شہزادے کو
۳۴۲ تخت نشین کیا لنکا کے ایک بعد کے فرمانروا کسپ پنجم (سنہ ۹۲۹–۹۳۹ء) نے ایک پانڈوی راجہ کی مدد کے لئے اندرون ملک میں ایک فوجی مہم روانہ کی، یہ پانڈوی راجہ غالباً راج سمہ تھا جو چولوں کے فرماں روا پرانتک اول سے زک اٹھا چکا تھا، چولوں کے کتبے[۵۳] تصدیق کرتے ہیں

---

۵۱ ایپی گرافیا انڈیکا جلد ۷ صفحہ ۲۹۔

۵۲ سنگھالیوں کی تاریخیں اب تک کسی قدر مشتبہ ہیں مندرجہ متن تاریخیں مسٹر بیل کی معلوم کردہ ہیں۔

۵۳ پرتھوی پتی دوم کے اودے ان ورم کے پترے، "جنوبی ہند کے کتبے" جلد دوم صفحہ ۳۸۷۔

کہ راجہ پران تک نے مدرا پر قبضہ کیا اور لنکا میں داخل ہوا۔ لیکن ایک سنگھالی روایت ہے کہ اہل جزیرہ کا لشکر بیماری کی وجہ سے برباد ہوگیا اور جب پانڈیے مغلوب کر لئے گئے تو سنگھالی فوجیں کنارہ کش ہوگئیں جزیرے پر چولوں کا کوئی حملہ تسلیم نہیں کیا جاتا ہے، پانڈوی راجہ خوف کے مارے لنکا بھاگ گیا لیکن یہ معلوم کر کے کہ اندرونی سیاسی تنازعوں کی وجہ سے اس کو کوئی مدد نہیں مل سکتی وہ فوراً کرالا کی طرف ہٹ گیا اور تاج اور شاہی نشان اپنے پیچھے چھوڑ گیا۔

میسور کے شہر بنگلور کے ایک کتبے (اپی گرافیا انڈکا جلد ۱ صفحہ ۵۴) میں مرقوم ہے کہ ایک زمانے میں جو یقیناً سنہ ۹۳۴ء اور سنہ ۹۳۸ء کے درمیان ہونا چاہیئے مشرقی چالوکیوں نے اپنے ایک راجہ دیرم ہندر کی افسری میں جس کو ڈاکٹر فلیٹ چالوکیوں کا بھیم دوم (کتاب مذکور صفحہ ۴۷) بتاتا ہے میسور پر حملہ کیا، تو ملبا کے پلاؤں اور گنگوی شہزادے ایرپا کی فوجوں نے ان کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ کیا، راشٹر کوٹی کرشن سوم (۹۴۰-۹۷۱ء) کو چولوں کے ملک میں بڑی فتح یابیاں ہوئیں اور ان علاقوں کے کتبے ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ان کے بعض حصوں پر شہنشاہی حقوق رکھتا تھا، شمالی ارکاٹ تنجور اور ترچنا پلی معلوم ہوتا ہے کہ چولوں سے نکل کر راشٹر کوٹوں کے قبضے میں چلے گئے (اپی گرافیا انڈکا جلد ۴ صفحہ ۱۸۱ و ۲۸۰) میسور ہی کے ایک اور شہر اٹاکور کے ایک کتبے میں جو ۹۴۹ء یا ۹۵۰ء کا ہے بیان کیا گیا ہے کہ ایک زمانے میں جبکہ راشٹر کوٹی راجہ کرشن سوم چولوں کے فرمانروا راجہ دتیا پسر پران تک اول سے مصروف پیکار تھا تو اول الذکر کے حلیف بوٹوگ دوم نے، جو تلکاڑ کے مغربی گنگوؤں میں سے تھا اور جس نے کرشن کی بہن سے شادی کی تھی، چولا راجہ کو موجودہ مدراس کے قریب مغرب میں ایک مقام ٹکول پر دغا دے کر قتل کر دیا، راشٹر کوٹا اس کام سے اس قدر خوش ہوا کہ اس نے میسور کے شمالی ملک کے بڑے بڑے قطعے جن میں بن واسی اور چند دیگر اضلاع شامل تھے بوٹوگ کو عطا کر دیئے (اپی گرافیا انڈکا جلد ۲ صفحہ ۵)

دوسری کنٹاکی مرقومات سے بھی اس قصے کی تصدیق ہوتی ہے۔ اس زمانے میں ایک مشہور کنڑی شاعر پمپا رہتا تھا جو اضلاع دھاڑواڑ کے شہر لکشمیشور میں رہتا تھا، اس نے ۹۴۱ء کے قریب اپنی آدی پران اور پمپ بھارت تصنیف کیں۔

۹۶۲ء اور ۹۷۳ء کے درمیان غالباً پران تک اول کے پوتے اور راج دتیا (جو ٹکول میں مارا گیا تھا) کے بھتیجے پران تک دوم کے عہد میں چولا فرمانروا راجہ اودیے سوم نے اس لئے چڑھائی کی کہ اس سے پانڈی تاج اور شاہی نشان جو اس کے قبضے میں تھا لے لیا جائے تاملیوں نے لنکا پر حملہ کیا اور اہالیان جزیرہ کو کامل شکست دی، ان سے شاہی نشان چھین لیا اور فاتحانہ واپس چلے آئے، مہاونس کے بموجب اودیے ۲۲۳
نے بعد کو ایک لشکر بھیجا اور خزانہ واپس لے لیا۔

مغربی چالوکیے دسویں صدی کے اختتام تک راشٹرکوٹا خاندان ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، معلوم ہوتا ہے کہ اس کے زوال میں مالوہ کے راجہ ہرش دیو کے سخت و کئی حملوں نے اور بھی تیزی رفتار پیدا کر دی، ہرش دیو میسور میں گنگوں کے علاقے تک گھس گیا تھا اور اس پر کچھ عرصے کے لئے قابض بھی رہا لیکن زوال کا قریبی سبب تیل دوم کی فتح تھی، یہ مغربی چالوکیوں کے سابق خاندان کی نسل سے تھا جسے راشٹرکوٹوں نے دو صدی پیشتر نکال دیا تھا، اس شہزادے نے چالوکیوں کے لئے تمام کنڑی اضلاع دوبارہ حاصل کئے اور ایک نئے خاندان یعنی مغربی چالوکیوں کی بنیاد قائم کی جس کی قسمت میں بہت طاقتور ہونا لکھا تھا، اس نے ایک راشٹرکوٹی شہزادی سے شادی کر کے اپنی حالت کو مضبوط کر لیا، اس کی سلطنت ۹۷۳ء میں شروع ہوئی اور ۹۹۷-۹۹۶ء

---

۵۱ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی ۱۹۰۳ء صفحہ ۴۴ ہپی گرافیا انڈیکا جلد اول صفحہ ۲۲۵-۲۲۶

تک زندہ رہا اس کی تخت نشینی کے تھوڑے عرصے بعد مغربی گنگاؤں کے راجہ پرمانڈی مارسمہا نے راشٹرکوٹوں کا راج دوبارہ قائم کرنیکے لیے کوشش کی اور اس غرض کے لئے کرشن سوم کے ایک پوتے کو تخت پر بٹھا دیا لیکن یہ کوشش بالکل رائگاں گئی تیل کے مقبوضات میں بلاری اور میسور کے بعض حصے بھی شامل تھے ؛

چولا — اس چالوکیا کامیابی کا نتیجہ یہ ہوا کہ چولوں کی طاقت اس قدر زبردست ہوگئی کہ ان کا مستعد فرمانروا راجہ راجہ اول (۹۸۵–۱۰۱۲ء) فتوحات کی وسیع تدابیر اختیار کرنے لگا ۹۸۵ء اور ۹۹۹ء کے درمیان اس نے مشرقی چالوکیوں کا کچھ علاقہ پامال کیا، میسور کے گنگوی راجہ کو شکست دی جو راشٹرکوٹوں کے زوال سے کمزور ہوگیا تھا اور مدرا کے پانڈیوں پر غلبہ حاصل کیا، ۱۰۰۱ء تک اس نے شرقی ساحل پر کلنگوں کے ملک کو مطیع کیا اور ۱۰۰۳ء کے قریب اس کا دعویٰ ہے کہ اس نے لنکا کو فتح کیا، اس واقعے کی تصدیق مہاونسہ سے ہوتی ہے جس میں مذکور ہے کہ اس زمانے میں تاملیوں نے جزیرے کے باشندوں کو بہت ستا رکھا تھا، انھوں نے انورادھاپور کو لوٹا اور مقدس مقامات کو تباہ کردیا اور یہ کہ راجہ مہندو پنجم اور اس کی رانی چولوں کے ہاتھ گرفتار ہوگئی، چند سال بعد چولوں نے ایک لاکھ سپاہیوں کا ایک لشکر لنکا کے شہزادے کاسیپ عرف وکرم باہو کو گرفتار کرنے کے لئے بھیجا لیکن وہ اس میں ناکام رہے، اس کے بعد ڈیڑھ صدی تک تاملیوں اور سنگھالیوں کے درمیان متواتر جنگ رہی یہاں تک کہ پراکرم باہو اعظم کا عہد آگیا جس نے لنکا کی سلطنت کو مضبوط کردیا (۱۱۶۴–۱۱۹۷ء) ۱۰۰۰ء کے قریب اس راجہ نے مغربی چالوکیوں کے ملک کے جنوبی حصے کو تاخت و تاراج کیا لیکن پھر اس کو نکال دیا گیا ؛

مشرقی چالوکیہ — دسویں صدی کے نصف حصے میں مشرقی چالوکیا

کے دارالسلطنت میں بڑی ابتری رہی۔ سنہ ۸۱۵ء میں بھیم اول کی موت کے بعد
۳۳۴ معلوم ہوتا ہے کہ قتل اور بغاوتوں کا ایک سلسلہ قائم ہو گیا کیونکہ بعد کے
سولہ سال میں کم از کم سات بادشاہ تخت پر بیٹھے جن میں سے پانچ نے ایک
سال سے کم عرصہ حکومت کی، اس کے بعد چالیس سال کی مدت میں تین
بادشاہوں نے حکمرانی کی اور پھر (سنہ ۹۷۳ء) ۲۷ سال کا وہ عہد شروع ہو گیا
جس میں مطلقاً کوئی بادشاہ نہ تھا۔ یہ سال تیل دوم کے عہد میں مغربی چالوکیوں
کی بحالی کا سال تھا۔ سنہ ۹۹۹-۹۹۸ء میں چولا فرمانروا راجہ راجہ نے مشرقی چالوکی
علاقے کی شورش کا ظاہر خاتمہ کر دیا، اس نے اول تک دینگی کو فتح کیا،
اور پھر شاہی خاندان کے ایک شہزادے سکتی ورمن کو جس نے بارہ برس
حکومت[۵۱] کی چالوکیوں کے تخت پر بٹھا کر واپس ہو گیا۔

پلو ایک زمانے میں جنوبی ہند کے مستقل فرمانروا بنتے نظر آتے تھے
لیکن ابتدائے ساتویں صدی میں چالوکیوں کی دونوں شاخوں سے پامال
ہوئے پھر راشٹر کوٹوں نے انھیں نیچا دکھایا۔ اور اب وہ ایک چھوٹے
سے علاقے میں محدود ہو گئے جس کو وسعت دینا ناممکن تھا اور چولا اپنی ترقی
میں بالکل آزاد ہو گئے۔

دسویں صدی[۵۲] کے بعد ہم پلو کا ذکر بہت کم سنتے ہیں اور جب
مشرقی چالوکیوں کے فرمانروا وِمالادِتیا (۱۰۱۱-۱۰۲۲ء) نے راجہ راجہ کی لڑکی
سے شادی کر لی اور اس کے جانشین چولوں اور مشرقی چالوکیوں کے مشترکہ
تخت پر متمکن ہو گئے تو یہ بادشاہ تمام جنوب کی قسمتوں کے مالک
بن گئے۔

دسویں صدی کے آخری حصے کی عام تاریخ کی طرف رجوع ہونے سے

---

۵۱ ایپی گرافیا انڈیکا جلد ۶ صفحہ ۳۴۹۔

۵۲ ڈاکٹر فلیٹ ان کے کامل زوال کی تاریخ سنہ ۹۷۰ء بتاتا ہے۔ بمبئی گزیٹیر جلد اول
حصہ دوم، صفحہ ۳۲۳۔

بیشتر مشرقی چالوکیوں کا بیان ختم ہوجانا چاہیے۔ وملادتیا[51] نے جیسا کہ ابھی مذکور ہوا چولا فرمانروا راجہ راجہ کی لڑکی سے شادی کی اس کے بیٹے[52] نے ایک اور چولا شہزادی سے شادی کی اور یہی اس کے پوتے نے کیا جن میں سے ہر ایک خاتون بادشاہ کی بیٹی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ان شادیوں کے بچوں کے دلوں میں چولائی اثر پیدا ہونے لگا۔ یہ امر متحقق نہیں ہے کہ آخری اتحاد چالوکیوں کے حملے سے پیدا ہوا یا چولوں کی اولاد نرینہ نہ ہونے سے لیکن ۱۰۷۰ء میں مشرقی چالوکیوں کا راجہ راجندر راجہ چولا تخت پر رونق افروز ہوا اور اپنا نام کولوٹنگا چولادیو اول اختیار کیا اس واقعے کے بعد سے تاریخ میں اس کو چولا ہی سمجھا جاتا ہے
ایک تامل نظم جس کا حوالہ ڈاکٹر فلیٹ نے دیا ہے بیان کرتی ہے کہ اس کا ۳۳۵
دارالسلطنت چولوں کے ملک میں تھا لیکن وہ اپنا دربار کنجی میں کرتا تھا جو پلور کا سابق دارالحکومت تھا اور جن کی سلطنت کا اب خاتمہ ہوچکا تھا بلہن کی وکرمانکادیوچرتر سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجیندرا نے جس کو وہ راجیگا کے نام سے پکارتا ہے چولوں کا تخت غصب کیا اور اس کے جائز وارث چولادھیراجا کو بے دخل کیا اس واقعے کا امکان ہوسکتا ہے تحقیق شدہ امر یہ ہے کہ ۱۰۷۰ء کے بعد مشترکہ ملک چولا کے نام سے موسوم ہوا۔ اور وینگی ایک صوبے کا صدر مقام ہوگیا جس پر کہ چولا خاندان کا ایک شہزادہ حکومت کرتا تھا یہیں یہاں مشرقی چالوکیوں کی تاریخ ختم ہوجاتی ہے (تاریخ کے لیے دیکھو امپیریل گزیٹیر انڈیا کا جلد ۲ صفحہ ۳۳۵)۔

جنوب دسویں صدی کے خاتمے پر

یہ دیکھا کہ گیارھویں صدی جنوبی ہند کی ایک نہایت اہم صدی ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دسویں صدی

---

[51] ڈاکٹر فلیٹ کا اس تاریخ کا خلاصہ انڈین انٹی کویری جلد ۲۰ صفحہ ۲۷۷ وغیرہ۔

[52] راجہ راجہ راج مندری میں رہتا تھا (۱۰۲۲-۱۰۶۳) مہا بھارت کے اول تامل مترجم نناپا بھٹ نے بموجب روایت راجہ راجہ کے حکم سے راج مندری میں اپنی کتاب لکھی۔

کے ختم پر صورت حالات کا مشاہدہ کریں، اس وقت مشرقی چالوکیے اندرونی نزاع کی وجہ سے کمزور ہو گئے تھے، مغربی چالوکیے پھر ایک دفعہ فتحیاب ہو گئے اور مغربی سمندر سے مشرقی چالوکیوں کی سرحد تک تمام دکن پر فرمانروائی کرتے تھے۔ ان کے ماتحت بہت سے طاقتور موروثی خاندان تھے، دوسرے خاندانوں میں کنڈی کے راٹ، ہانگل اور بنواسی کے کدمب، کولھاپور کے سلاہارا جو تگارا میں حکومت کرتے تھے (ایک نہایت قدیم شہر جس کو حال میں ڈاکٹر فلیٹ نے ضلع عثمان آباد علاقہ نواب نظام الملک کے تیر سے تعبیر کیا ہے[۵۱]) اور ارام برا کا پایل برگا کے سندا تھے، ان میں سے بیشتر قدیم چالوکیوں اور راشٹر کوٹوں کے جاگیردار تھے اور اب وہ پھر مغربی چالوکی سیادت کے مطیع ہو گئے، مشرقی ساحل پر مشرقی چالوکیوں کے شمال میں کلنگا کے گنگا تھے، میسور کا ملک حسب معمول زیادہ منقسم تھا اس کے بڑے حکمراں خاندانوں میں تلکاڑ کے مغربی گنگا اب کمزور ہو گئے تھے اور چولوں نے ان کے علاقے کا ایک حصہ دبا لیا تھا، پلّو اس وقت تک پامال ہو چکے تھے، چولا سرعت کے ساتھ ایک بڑی طاقت بن رہے تھے، پانڈیے اپنے ملک پر حکمرانی کر رہے تھے لیکن وہ کچھ زیادہ قابل لحاظ نہیں، اور راشٹر کوٹا تاریخ سے غائب ہو گئے تھے۔

اس مقام سے ہم اول دکن کی دو صدیوں کی تاریخ کا نقشہ کھینچیں گے اور انتہائے جنوب میں جو واقعات اس عہد میں گزرے ان کی رفتار کا خاکہ قائم کرکے بارھویں صدی کے ختم سے نیا دور شروع کریں گے۔

مغربی چالوکیے

مغربی چالوکیوں کی سلطنت کا دوبارہ قائم کرنے والا تیل دوم ۹۹۶–۹۹۷ء میں مرگیا، دو تین بادشاہوں کو جن کا حال بہت کم معلوم ہے چھوڑ کر ہم جے سمہا دوم (۱۰۱۸) پر آتے ہیں

---

۵۱ جرنل رائل ایشیاٹک سوسائٹی بابت ۱۹۰۱ صفحہ ۵۳۷۔

۵۲ ایپی گرافیا انڈیکا جلد ۴ صفحہ ۲۲۱۔

جس نے مالوہ کے راجہ بھوج اور چولا فرمانروا راجیندرا سے جنگ کی، اُس کے بعد سنہ ۱۰۴۴ء کے قریب سومیسوار اول (آہومل) تخت نشین ہوا جس نے کلیانی کو صفحہ ۳۳۶
اپنا مستقر بنایا۔ ایک کتبے میں مرقوم ہے کہ اس کے عہد میں ایک سال سنہ ۱۰۶۰ء سے پیشتر، چولوں نے اس کے علاقے پر حملہ کیا لیکن وہ پسپا کر دیئے گئے اور ان کا سردار تنگ بھدرا کے کنارے مارا گیا۔ بلہن بھی اس قصے کی تصدیق کرتا ہے، وہ لکھتا ہے کہ سومیسور کانچی تک بڑھا چلا گیا اور اس نے چولوں کے دارالسلطنت کو تباہ کر دیا اور اس کے حکمران کو جنگلوں میں بھگا دیا اگر یہ واقعہ صحیح ہے تو اس کا اشارہ قدرۃً چولوی کتبات میں نہیں ہونا چاہیئے، لیکن ہمارے پاس اُس طرف کا ثبوت بھی موجود ہے کہ چولا اس زمانے میں مغربی چالوکیوں سے جنگ کر رہے تھے کیونکہ بعض چولوی کتبات بیان کرتے ہیں کہ ان کے بادشاہ نے سومیسور کو کپّم پر (بالائے تنگا پر)[۵۱] شکست دی، ادھر ہمارے پاس ایک کتبہ بیلا تُور واقع میسور کا موجود ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ راجیندرا چولا اول نے سنہ ۱۰۳۳ء[۵۲] سے قبل گنگوں کا ملک فتح کیا، اور ایک دوسرے کتبے[۵۳] میں جو سنہ ۱۰۴۸ء کا کندہ ہے، راجہ دھراجا چولا کی بابت مذکور ہے کہ اس بادشاہ نے چیرا فرمانروا کے محل پر قبضہ کر لیا، نیز اس نے تنگ بھدرا کے کنارے کمپلی کی گڑھی کو فتح کیا اور وہاں چالوکی فرمانروا کے محل کو جلا دیا[۵۴]۔

---

[۵۱] ہلش کی کتاب جنوبی ہند کے کتبات، جلد دوم صفحہ ۳۰۳، سوم ۳۲، ۳۳، ۵۸، ۱۹۳، ۶۴۔

[۵۲] ایپی گریفیا انڈکا جلد ۶ صفحہ ۲۱۔

[۵۳] ایپی گریفیا انڈکا جلد ۶ صفحہ ۲۱۶۔

[۵۴] راجہ دھراجا کا عہد سلطنت (۱۰۱۸ سے ۱۰۵۲) بہت اہم تھا، کتبات ظاہر کرتے ہیں کہ اس نے پانڈیوں، کیرالوں اور لنکا کے چار بادشاہوں کو شکست دی اور اُس واقعے کی تصدیق سنگھالیوں کی مہاومسہ (باب ۵۶) سے ہوتی ہے، یہ امر البتہ کامل طور پر ثابت نہیں ہوا ہے کہ وہ آہومل کے خلاف جد وجہد میں کامیاب رہا بلکہ ایک چالوکی کتبے

معلوم ہوتا ہے کہ سوم سور کانچی سے شمال کی جانب مراجعت کرتے وقت سدوندھام (ساہوٹ) اور سری سیلم سے گزرا، جہاں اس کی خیراتوں کی یادگاریں اب تک پتھروں پر کندہ دکھائی دیتی ہیں، سوم سور نے مالوہ کے راجہ بھوج اور کلچری کے راجہ کرن سے جنگ کی آخر الذکر کی بابت معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اس نے تلنگانہ کو فتح کر لیا تھا سوم سور کے بیٹوں میں سے ایک صوبہ نولمبواڑی پر حکومت کرتا تھا اس نے تنگ بھدرا پر کمپلی کو اپنا دارالسلطنت بنایا یہ بادشاہ سنہ ۱۰۶۹ء میں فوت ہوا، اس کی موت کا حال بہانا نے لکھا ہے اور ڈاکٹر بھنڈارکر نے اس قصے کا اس طرح اختصار کیا ہے ("ارلی ہسٹری آف دی دکن" بمبئی گزیٹیر جلد اول۔ حصہ دوم صفحہ ۶-۲۱۵):

"جب اس نے دیکھا کہ اس کا وقت قریب آپہنچا تو اسے اس کی خواہش کے بموجب تنگ بھدرا پر پہنچا دیا گیا، اس نے دریا میں غسل کیا اور بہت سا سونا خیرات کیا پھر دریا میں اتر کر آگے بڑھنے لگا حتیٰ کہ پانی اسکی گردن تک آگیا اور وہ لہروں اور باجوں کے شور وغل میں ڈوب گیا"

اس کا بیٹا سوم سور دوم قلیل عرصہ حکمراں رہا اس کو اس کے ایک صفحہ ۳۳۴
بھائی وکرمادتیا ششم نے معزول کر دیا۔ اس وقت کے حالات قابل بیان ہیں وکرمادتیا اپنے باپ کی فوجوں کا ان کی کامیاب جدوجہد میں سپہ سالار تھا، اپنے بھائی کی تخت نشینی پر وکرمادتیا نے اس کی اطاعت مان لی لیکن جلدی ہی تنازع پیدا ہو گیا اور بڑھتے بڑھتے نوبت یہاں تک پہنچی کہ شاہی خاندان میں خانہ جنگی شروع ہو گئی جس میں وکرمادتیا نے اپنے بھائی کی سپاہ کو شکست دی، اس کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اپنے لیے لڑائیاں شروع کر دیں، گوآ کے کدمبوں کا سردار جیکیسی اول اس کا مطیع ہو گیا اور یہی مالابار کے کیرالوں نے کیا، ادھر کودل سنگاما پر چولوں کے ہاتھ سے زک اٹھا کر اس نے عارضی صلح کر لی اس کے بعد چولوں میں ایک انقلاب

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ ۔ سے کے بعد جب اس نے جنگ کوپم میں اپنی جان دی ہو

برپا ہوا۔ اور اخیر میں مشرقی چالوکی راجہ راجیندر کو رُدر بالا طریقے سے چولوں کے تخت پر قابض ہو گیا یہ واقعہ سنہ ۱۰۷۶ء کا ہے وکرما دیتا نے جس نے ایک چولا شہزادی سے شادی کی تھی، راجیندرا کے ساتھ ہمپیندستی کر کے اپنی بیوی کے بھائی کو چولا کے تخت پر بٹھا دیا، لیکن جوں ہی اس نے پیٹھ پھیری راجیندرا تخت پر مسلط ہو گیا، پس وکرما دیتا کانچی کی طرف بڑھا لیکن راجیندرا کی تجویز پر سومیسور نے اس کے عقب پر حملہ کیا اس کے بعد جو لڑائی ہوئی اس میں وکرما دیتا کو کامل فتح ہوئی، اس نے سومیسور کو معزول کیا اور خود چالوکی تخت پر قابض ہو گیا، معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں اس کی تاجپوشی سنہ ۱۰۷۶ء میں ہوئی۔

وکرما دیتا کا عہد طویل اور مقابلتہً پرامن تھا وہ آزاد خیال غیر مذہب کا روادار اور علم پرور تھا، بلہن کو اسی کے زمانے میں عروج ہوا اور وہ اس کے دربار کا بڑا پنڈت بن گیا، اس نے کتاب قانون میتاکشرا کے مصنف وجنانیشور کو اپنی سرپرستی میں لے لیا، سنہ ۱۰۹۵ء میں اس نے ایک بودھی بہار کے لیے امداد منظور کی، یہ عطیہ بودھ مذہب کے زوال کے وقت اس کے ساتھ آخری شاہی نوازش تھی، بلہن کہتا ہے کہ بادشاہ کے بھائی جیسمہہ والیسرائے بنواسی نے اس سے سرکشی کی اور ایک مقابلے کی جنگ میں زک پائی، لیکن اس کے وقت کا سب سے اہم سیاسی واقعہ ہوئی سالون کا عروج تھا تلکاڑ کا گنگا خاندان چولوں یا پانڈیوں اور دوسروں کے آئے دن کے حملوں سے اس زمانے میں چند سال سے بالکل کمزور ہو رہا تھا اور گیارھویں صدی کے وسط کے قریب ہوئی سالون نے طاقت پکڑی، یہ ایک جاگیردار خاندان تھا جو دور سمدرا میں سکونت رکھتا تھا، یہ مقام میسور میں اس وقت ہلے بیڈ کے نام سے مشہور ہے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہانگل اور بنواسی کے کدمبوں سے متواتر جنگ کرتے رہے جن کو کچھ عرصے بعد انھوں نے بے دخل کیا ہوئی سالون کا سردار ونایادیتا ایک مشہور جنگجو تھا، اور اس کا بیٹا اِرے انگ ل

میں (غالباً چالوکیوں کے تحت میں) مالوہ کے راجہ بھوج سے ۱۰۱۹ء۔ وکرمادیتا
کے عہد میں ہوی سالوں نے چالوکیوں کے جنوب مغربی علاقوں پر اچانک
حملہ کیا جن پر ایل پرگہ کے سنداخاندان کا ایک راجہ اَج یا اُچگی راج کرتا تھا،
اس سے حملہ آوروں نے شکست کھائی' اَج یا اُچگی نے گوا کے کدمبوں صفحہ ۳۳۸
کی ایک بغاوت کو بھی فرو کیا' ان کے دارالسلطنت پر قبضہ کر کے اس کو
آگ لگا دی' علاوہ ازیں قریباً ۱۰۱۱ء میں اس نے بھوج کے ایک حملے
کو بھی پسپت کیا جو کراد کے سلہارا جاگیرداروں میں سے تھا ہمارے پاس
یہ معلوم کرنے کے ذرائع نہیں ہیں کہ کن امور نے ان بڑے ماتحت خاندانوں
کو ان کوششوں پر اُبھارا لیکن ان سے بادشاہ بہت سی دقتوں میں ضرور
پڑ گیا' ونایادتیا کے بیٹے بلال اول کو ۱۰۳۰ء میں ہوی سالوں کی سرداری
مل گئی' اس نے ہم چا علاقہ میسور کے سانتر راجہ سے جنگ کی اور اس پر غالب آیا
اس کے جانشین دشنو وردھن عرف بٹی گا نے گنگوں کے دارالحکومت
تلکاڑ پر قبضہ کیا اور گنگوں کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جو اس کے بعد
تاریخ سے معدوم ہو جاتے ہیں' چولا مشرقی چالوکیوں سے مخلوط ہو کر اب
بہت طاقتور بن گئے تھے اور اُنھوں نے اس عہد میں مغربی چالوکیوں
کے کرنول کے علاقوں کو سنبھالے رکھا کیونکہ اس وقت کتبے موجود ہیں
جو ثابت کرتے ہیں کہ ۱۰۰۸ء اور ۱۰۲۲ء میں چولوں کی سیادت اس
حصے پر قائم تھی (کرنول ڈسٹرکٹ مینوئل صفحہ ۲۱) البتہ معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ
کچھ طویل نہ رہا۔

وکرمادیتا کے بعد ۱۱۲۶ء میں سومیشور سوم چالوکی تخت پر بیٹھا
اس کا زمانہ پر امن رہا اور یہی حالت اس کے جانشین جگدیک مل دوم (۱۱۳۸ء تا ۱۱۵۰ء)
کے عہد میں رہی' صرف کدمبوں اور ہوی سالوں نے چند یورشیں کیں جن کا مقابلہ
باجگزار سندا سردار پرمادی اول نے کامیابی کے ساتھ کیا' اس نے
حملہ آور ہوی سالوں کا تعاقب ان کے دارالسلطنت دوار سمدر تک
کیا لیکن باوصف ان کامیابیوں کے چالوکیوں کی طاقت اب

گھٹنے لگی تھی مشہور وشنو مصلح رامانج اس عہد کا ہے اگرچہ اس کی صحیح تاریخ مشتبہ ہے ایک ہندو مصنف اس کو ۱۱۲۷ء تا ۱۱۲۸ء بتاتا ہے۔

جگدیک مل کے بعد تیل سوم (۱۱۵۰ - ۱۱۵۶) تخت نشین ہوا، جس کے ساتھ چالوکی بادشاہت کا بالکل خاتمہ ہو گیا، بجل کلچری نے جو تیل کا سپہ سالار تھا اس کی اطاعت سے سرکشی کی اور کو ملتاہ راور دوسرے سرداروں کی مدد سے تیل سوم کو ۱۱۵۶ء میں تخت سے علیحدہ کر دیا، بدنصیب شہنشاہ نے ورنگل کے کاکتیا خاندان کے راجہ پرودا سے ایک اور زک اٹھائی اور ۱۱۶۲ء میں جلاوطنی میں مر گیا۔

بجل نے اپنی خود مختاری کا اعلان کیا اور ۱۱۶۷ء تک حکمراں رہا جبکہ اس نے اپنے بیٹے سودی دیو (جس کی آخری معلومہ تاریخ ۱۱۷۷ء ہے) کے لئے تخت خالی کر دیا۔ یا جیسا کہ ایک عجیب قصہ مشہور ہے اس کو اس کے وزیر بسو نے قتل کر دیا جو شیو پرستوں کے ایک مذہبی فرقے لنگایتوں کا پیشوا تھا ڈاکٹر فلیٹ پہلے قصے کی صحت پر یقین کرنے کی صفحہ ۳۴۹
قوی وجہ ظاہر کرتا ہے اس خاندان کے تین شہزادے جلد جلد یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے اور ۱۱۸۳ء میں خاندان مغربی چالوکیہ کچھ عرصے کے لئے دوبارہ قائم ہو گیا، اس وقت خاندان چالوکیا تیل سوم کے بیٹے سومیشور چہارم کی وجہ سے ایک مدت کے لئے پھر قائم ہو گیا تاہم اس کا ذکر صرف چھ سال بعد تک سنتے ہیں جس کی آخری تاریخ ۱۱۸۹ء ہے مغربی چالوکیوں اور کلچریوں پر شمال سے دیوگری کے یادوون اور جنوب سے ہوئی سالون نے یورش کی اور ۱۱۹۲ء تک دونوں حکومتوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔

اسی پُرشور زمانے میں مشہور ہیئت داں اور سدھانتا سرومانی کے مصنف بھاسکر آچاریہ کو عروج ہوا، وہ ۱۱۱۴ء میں پیدا ہوا تھا۔

ہوئی سال

۱۱۹۱ - ۱۱۹۲ء میں ہوئی سال کے فرمانروا ابلال دوم نے بادشاہی القاب اختیار کئے قبل ازیں وہ چالوکیوں

کی اس کوشش پر پانی پھیر دیا تھا جو انھوں نے دکن میں دوبارہ اقتدار حاصل کرنے کے لئے کی تھی اور دیو گری کے یادو راجہ بھلّم کو گدک کے قریب لکنڈی پر شکست فاش دی، یادو راجہ معلوم ہوتا ہے اسی میدان جنگ میں مارا گیا، پھر بلال دکن کے ایک بڑے حصے پر حکمراں ہو گیا جس کو اس نے مرتے دم یعنی سنہ ۱۲۱۱-۱۲۱۲ء تک زیر فرمان رکھا، بھلّم کے خلاف جدوجہد کے دوران میں بلال دوم نے کرشنا کو عبور کیا اور بلاری گوٹی اور کردگود کے گرد و نواح کے ملک کو مطیع کیا۔

اس قطعے کی تاریخ کو بارھویں صدی کے ختم تک بیان کرنے کے بعد اب ہم جنوبی حکومتوں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

چولا ہم یہ دیکھ چکے ہیں کہ مشرقی چالوکیے چولوں کے ساتھ متحد ہو گئے اور راجیندر اپالو کی نے سنہ ۱۰۷۰ء میں چولا تخت حاصل کیا،

اس کے بعد وہ کلوٹنگا چولا اول کے نام سے مشہور رہا اور تمام متحدہ سلطنت حکومت چولا بن گئی، پلّو بالکل پامال ہو گئے اور ان کا صدر مقام کانچی چولوں کا دار الحکومت بن گیا، پانڈیے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مغلوب ہو گئے تھے کیونکہ وہ پھر بھی اپنے گزشتہ عروج کو نہیں پہنچے اور چولوی کتبے صاف طور پر ان کی شکست بیان کرتے ہیں (ایپی گرافیا انڈ کا جلد ۵ صفحہ ۱۰۴) پانڈوی شہزادوں کی بابت ہمکو معلوم ہے کہ وہ مختلف مقامات پر حکومت کرتے تھے یعنی شمالی میسور کے گرد و نواح اور علاقہ نولمبوارڈی پر سنہ ۱۱۱۶ء سے تقریباً سنہ ۱۱۹۰ء تک اور گوٹی پر سنہ ۱۲۵۴ء تک فرمانروا رہے لیکن وہ حکمراں خاندانوں کے باجگزار رہے تھے، سنہ ۱۲۵۱ء میں ہم ایک سندرا پانڈیا کا ذکر سنتے ہیں جو ہوی سالوں[۱] سے لڑا اور سنہ ۱۲۵۱ء اور سنہ ۱۲۶۴ء کے درمیان بہت سے نام اور سن مشہور رہیں (ایپی گرافیا انڈکا جلد ۷ صفحہ ۱۰ وغیرہ)

---

[۱] یہ جاتا ورمن سندرا اول (۱۲۵۱ - ۱۲۶۸) ہے اسی نام کے ایک اور بادشاہ کا ذکر مارکوپولو نے کیا ہے جو اس کو سندربندی کے نام سے پکارتا ہے

لیکن یہ فرض کرنا زیادہ قرین احتیاط معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۰۷۰ء کے بعد دولت چولا جنوبی ہند میں سب سے بڑی طاقت تھی اس کا تعلق زیادہ تر لنکا سے رہا۔ صفحہ ۲۴۰

سنہ ۱۰۶۵ء (؟) میں سیلون کے تخت پر ایک غاصب وجایا باہو اول نے قبضہ کیا اور چند سال بعد حملہ آوروں کو شکست دی، پراک راما باہو اول (سنہ ۱۱۶۴ تا ۱۱۹۷ء) کے زیر فرمان سنگھالیوں نے چولوں اور پانڈیوں کے علاقوں پر حملہ کیا اور وہ تسخیر مدرا کا دعویٰ بھی کرتے ہیں لیکن چونکہ وہ فوراً واپس ہو گئے اس سے صاف ظاہر ہے کہ حملے سے ان کو بہت کم فائدہ ہوا، اس کے بعد سے تامل طاقت سیلون میں بڑھنے لگی۔

جنوبی ہند بارھویں صدی کے ختم پر

جیسا کہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں یہ امر قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ آگے چلنے سے پہلے بارھویں صدی کے ختم پر صورت حالات کا مطالعہ کریں، اس وقت دراصل چولوں کی سیادت تمام جنوب پر چھائی ہوئی تھی اگرچہ پانڈیے ابھی تک مدرا میں حکومت کرتے تھے اور چولا اپنے ادریلوے کے علاقوں میں محدود تھے، ان کے شمال میں ورنگل کے کنپتیوں نے تلنگی ملک پر تسلط کر لیا تھا جس پر مشرقی چالوکیے حکومت کرتے تھے، گنپتیوں کے شمال میں اڑیسہ کی حکومت واقع تھی دکن میں شمال سے دیوگری کے یادوا اور جنوب سے ہوی سالے فوقیت کے لئے جہد کر رہے تھے اور گوا کے کدمبے اور راٹ جنوبی کونکن اور بالائی گھاٹ کے حصوں کے لئے جھگڑ رہے تھے، یہ آخرالذکر بہت جلد یادوؤں کے ہاتھ سے تباہ ہو گئے۔

کاکتیے

ورنگل کے کاکتیوں کا ایک خاندان تھا جس نے جہانتک کہ موجودہ قلیل مرقومات سے اخذ کیا جا سکتا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ مارادرما گلا سیکھارا وشتہ کا کلیس ولور ہے ۱۲

کئی نسلوں تک اس ملک کے بہت بڑے حصے پر حکومت کی جو آجکل نواب نظام الملک کا علاقہ ہے لیکن ہمیشہ بڑے خاندانوں کے جاگیرداروں کی حیثیت سے رہے، سلطنت کے تازہ انقلابوں سے انہوں نے بہت سی بڑی ماتحت ریاستوں کے مانند ان کو آزاد کر دیا تھا اور وہ پھیلنے لگے تھے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ مشرقی چالوکیوں کا (جو اب چولا کہلاتے تھے) گوداوری اور ساحل تک کرشنا کے آس پاس کا علاقہ ۱۱۹۰ء سے پہلے فتح کر چکے تھے۔

یادو | تیرھویں صدی کے آغاز میں دکن میں سب سے بڑی دلچسپی دیوگری کے یادووں اور ہوی سالوں میں مرکوز ہو جاتی ہے یادووں کا یہ خاندان عموماً دیوگری کا سمجھا جاتا ہے حالانکہ تیرھویں صدی کے اوائل تک یہ مقام ان کا دارالسلطنت نہیں بنا تھا، وہ ایک حکمراں باجگزار خاندان سے تھے لیکن چالوکیوں کے زوال کے بعد آزاد ہو گئے اور دکن کی بادشاہت کے لئے کلچری اور ہوی سالوں سے جنگ کرنے کو جنوب کی طرف بڑھے، کلاچریوں کو مغلوب کرنے کے بعد یادووں کے سامنے اب ہوی سالے رہ گئے، بھلم نے ۱۱۸۷ء میں بادشاہی
صفحہ ۱۱۳ لقب اختیار کیا وہ جیسا کہ پیشتر بیان کیا گیا لک کندی میں مارا گیا، اس کے بیٹے جے تگی (۱۱۹۱-۱۲۱۰) کی بابت کہا جاتا ہے کہ وہ تلنگوں کے سردار یعنی ورنگل کے کاکتیا راجہ رودرا پر غالب آیا اور اس نے نگنبتی خاندان کے ایک شہزادے کو قید خانے سے آزاد کیا جو اس کی بدولت اندھرا ملک کا مالک بن گیا، خواہ یہ واقعہ پیش آیا ہو یا نہ آیا ہو معلوم ہوتا ہے کہ کاکتیے یادووں کے مقابلے میں کامیابی کے ساتھ جمے رہے، دوسرا بادشاہ سنگھن (۱۲۱۰-۱۲۴۷) مسلسل جنگ کرتا رہا، وہ گجرات اور مالوے میں کامیابی کے ساتھ لڑا لیکن جہاں تک جنوبی ہندوستان کا تعلق ہے اس کی بڑی کامیابیاں یہ تھیں کہ اس کے واسطے دیچن نے ہوی سالوں کو کامل شکست دی جس میں بہت سا دکن کا علاقہ ان کے ہاتھ سے نکل گیا، علاوہ ازیں اس نے سلہاروں، راٹوں اور گوا کے کدمبوں کو بھی شکستیں دیں، سنگھن نے

فلکیات کے مطالعے کا شوق بڑھایا اور بھاسکر آچاریہ کے خاندان کے دو شخص یعنی اس کا پوتا چانگ دیو اور بڑا بھتیجا اننت دیو اسکے دربار کے سب بڑے منجم تھے، یدیون کا دعویٰ ہے کہ وہ جنوب میں اتنی دور بڑھ گیا کہ کاویری کے نواح میں اس نے فتح کی یاد میں ایک مینار قائم کیا، سنگھن کا جانشین کرشنا دوم (۱۲۴۷-۱۲۶۰) ہوا اور اس کے بعد مہادیو (۱۲۶۰-۱۲۷۱) تخت پر بیٹھا، اس نے بھی راٹوں سے جنگ کی اور اس مرتبہ ایسی کامیابی ہوئی کہ ان کو بالکل مطیع و منقاد کر لیا، اس نے ہوی سالوں کو بھی رعب داب میں رکھا، کرشنا اور مہادیو دونوں غالباً ورنگل کے کاکتیوں سے دوستانہ مراسم رکھتے تھے مہادیو کی بابت ایک کتبے میں مذکور ہے کہ ورنگل کے لوگ اس کی طاقت سے اس قدر خائف ہو گئے کہ انھوں نے اپنے تخت پر ایک عورت کو بٹھایا تاکہ اس کی دست درازی سے محفوظ رہیں اس کتبے میں کاکتی رانی رودرامبا کا حوالہ موجود ہے جو گنپتی دیو کی بیوہ[1] تھی۔ اور جس نے ۱۲۵۷ء سے ۱۲۹۵ء تک حکومت کی، اسی رانی کے عہد میں وینس کے سیاح مارکو پولو نے ہندوستان کے مشرقی ساحل کی سیر کی، وہ لکھتا ہے (حوالہ yule طبع دوم ۲۹۵) کہ اس ملک پر ایک عورت نہ صرف چالیس سال سے حکمرانی کر رہی ہے بلکہ اس نے سلطنت کا انتظام اپنے خاوند کی طرح بلکہ اس سے بھی بہتر کیا اور چونکہ وہ عدل و انصاف اور امن کی دلدادہ تھی اس کی رعایا اس سے اس قدر محبت کرتی تھی کہ اس سے پیشتر اس نے اپنے کسی راجہ یا رانی سے نہیں کی۔ مہادیو کا سب سے بڑا مشیر و مشہور مصنف ہیمادری تھا، تامل ملک میں جو نظمیں تنگل کے نام سے مشہور ہیں وہ اوائل تیرھویں صدی کی ہیں۔

ہوئی سال ہوی سال جو تیرھویں صدی کے شروع میں بہت طاقتور تھے لیکن شمال میں یادووں سے دب گئے تھے

---

[1] یا ممکن ہے کہ بیٹی ہو۔

اب اپنی تمام کوششیں اپنے جنوبی غنیموں کو پامال کرنے میں صرف کر رہے تھے، ان کے بادشاہ نراسمہا دوم نے اپنا عہد حکومت ۱۲۲۰ء میں چولا ملک پر ایک مہم سے شروع کیا، اس میں کامیاب ہو کر بعد ازاں اس نے ۱۲۳۱-۳۲ء میں ایک اور مہم ترتیب دی تاکہ چولا راجہ کو پلّو کے سردار ۳۴۲
پیرُن جنگ دیو کے پنجے سے چھڑا سکے، اس کا ثبوت سری رنگم کے کتبوں سے بھی ملتا ہے[1] یادَوی یورشوں کی وجہ سے نراسمہا دوم کے بہت سے شمالی علاقے اس کے ہاتھ سے نکل گئے، اس کے جانشین بیٹے ویر سومیسور (۱۲۳۴-۱۲۵۴) نے سری رنگم کے قریب وکرما پورہ (موجودہ کنا نور) کو اپنا پایہ تخت بنایا، یہ واقعہ ۱۲۴۲ء سے پیشتر کا سمجھنا چاہیے، اس تاریخ کے بعد ہوی سالون کا اثر جنوب میں مستحکم ہوگیا، چولا راجہ راجہ سوم ۱۲۴۳ء میں فوت ہوگیا اور یہ اغلب ہے کہ اس کے ملک کے حصے بخرے ہو گئے، ایک حصہ پیرُن جنگ دیو نے دبا لیا، یہ قدیم سلطنت کے خاتمے کا آغاز تھا؟[2]

یادَوا مہادیو کی جگہ اس کا بھتیجا رامچندر یادو تخت نشین ہوا اور ۱۳۰۹ء تک زندہ رہا وہ ہوی سالون کی سرکوبی میں کامیاب ہوا اور ان کے قدیم دارالحکومت پر قابض ہوگیا، وہ اس تمام علاقے پر حکومت کرتا تھا جو پہلے مغربی چالوکیوں کے زیر فرمان تھا، اس کے علاوہ وہ تمام کونکن اور میسور کے ایک حصے پر فرمانروائی کرتا تھا، مشرق میں اس کی سلطنت کے حدود ورنگل کی سرحد سے ملے ہوئے تھے جنوب میں چولوں سے اس کی صلح تھی، معلوم ہوتا ہے کہ ورنگل کے گنپتی اس کے سب سے زیادہ خوفناک حریف تھے لیکن اب ان تمام حالات میں

---

[1] ایپی گریفیا انڈکا جلد ۳ صفحہ ۱۶۰ و صفحات آیندہ

[2] ڈاکٹر (Hultysch) کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۸۹۱ و ۱۸۹۲ مطبوعہ بموجب فرمان مدراس گورنمنٹ مورخہ ۱۶ اگست ۱۸۹۲ء نمبر ۵۴۴

ایک انقلاب ہونے والا تھا مسلمان شمال کی جانب سے چڑھتے چلے آتے تھے اور جہاں تک دکن کا تعلق ہے ہندو عہد سرعت کے ساتھ خاتمے پر آرہا تھا۔

مسلمان، علاء الدین

جلال الدین شہنشاہ دہلی کے بھتیجے علاء الدین خلجی نے ۱۲۹۴ء میں دکن پر سواروں کے ایک چھوٹے سے دستے کے ساتھ حملہ کیا اور دیوگری کے سامنے اس طرح اچانک جا کھڑا ہوا کہ رامچندر دہشت زدہ ہوگیا اور حملہ آوروں کو ایک لشکر عظیم کا ہراول سمجھا، اس نے ایک معمولی سا مقابلہ کیا اور اپنے پایہ تخت کے بالائی حصار میں قلعہ نشین ہو گیا۔ اس نے اجنبیوں کے سردار سے صلح کی گفتگو کی اور اس کی واپسی کے لئے ایک کثیر رقم دینی منظور کی، اس سے پیشتر کہ رقم طے پائے علاء الدین پر راجہ کے بیٹے سنکر نے حملہ کیا، اور علاء الدین نے ہندوؤں کو شکست دینے کے بعد اپنے مطالبات بڑھا دیئے قلعے میں رسد بہت کم تھی اور وہ محصور ہونے کے لئے بالکل ناقابل تھا، چونکہ محاصرہ سر پر آپہنچا تھا رامچندر نے کامل اطاعت قبول کرلی اور زر کثیر ادا کیا اور دہلی کو سالانہ خراج بھیجنے کا وعدہ کیا علاوہ ازیں ایلچ پور اور اس کا علاقہ علاء الدین کے حوالے کیا۔

ملک کافور

علاء الدین نے جو اب شہنشاہ ہو گیا تھا ۱۳۰۷ء میں ملک کافور کو ایک لشکر کے ساتھ دیوگری بھیجا اور چونکہ الزام یہ تھا کہ راجہ نے خراج نہیں ادا کیا، رامچندر کو گرفتار کرکے دہلی بھیجد یا جہاں کچھ عرصے کے لئے اس کو روک لیا گیا، ۱۳۰۹ء میں جبکہ ملک کافور ورنگل کے کیتی فرمانروا کو مطیع کرنے کے لئے دکن کو جا رہا تھا، راستے میں دیوگری ٹھہرا، راجہ نے اس کی بہت خاطر تواضع کی وہاں سے آگے بڑھا اور سلطنت ورنگل کو زک دی، ۱۳۱۰ء میں اس نے پھر دکن پر چڑھائی کی اس مرتبہ اس کا مقصد ہوی سالون کو مطیع کرنا تھا، جب وہ دیوگری پہنچا تو معلوم ہوا کہ رامچندر کا انتقال ہوگیا اور اب اس کا بیٹا

سمکر حکمراں ہے۔ وہ جنوب کی طرف بڑھا اور میسور میں داخل ہوا، دور سمندر پر چڑھائی کر کے اس کو تسخیر کیا اور وہاں کے مندر کو لوٹا جس میں اعلیٰ قسم کی سنگ تراشی سے کام لیا گیا تھا، ہوی سالون کو وہاں سے نکال دیا اور ساحل مالابار تک بڑھا چلا گیا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے پانڈیوں کو کامل طور پر مطیع و منقاد بنا لیا تھا کیونکہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ سنہ ۱۳۱۰ء تا ۱۳۲۵ء تک مدرا پر مسلمان عامل حکمراں رہے تھے۔

سمکر کے خراج سے انکار کرنے پر ۱۳۱۲ء میں اس پر حملہ کیا گیا اور اسکو گرفتار کر کے قتل کر دیا تمام دکن تاخت و تاراج کر دیا، مندر لوٹے گئے اور بے شمار مال غنیمت دہلی کو بھیجا گیا، ایک کتبے کی تازہ اشاعت سے کسی قدر ثبوت ملتا ہے کہ سنہ ۱۳۱۶ء میں گنپتی راجہ پرتاب رودرا دوم نے چیروں کے ملک کو فتح کیا چنانچہ کانچی اس وقت اس کا باجگزار تھا[1]، سنہ ۱۳۱۸ء میں دلی کے شہنشاہ قطب الدین مبارک نے دکن پر فوج کشی کی تاکہ رامچندر کے داماد ہری پال دیو کی سرزنش کی جائے جس نے اپنے خاندان کے لئے دوبارہ حکومت حاصل کرنے کی کوشش کی تھی، ہری پال دیو گرفتار ہوا اسکی کھال کھینچی گئی اور سر دیوگری کے دروازے پر لٹکا دیا گیا، اس طرح سے یادو خاندان کا خاتمہ ہوا۔

وجیانگر

سنہ ۱۳۲۷ء میں محمد تغلق بادشاہ دہلی نے ہوی سالون کی تباہی کو تکمیل کو پہنچا دیا اور اپنی سلطنت سے ان کے علاقوں کے الحاق کا اعلان کیا اس وقت سے تمام دکن مسلمان فاتحوں کے قدموں میں آگیا اور ہم یہاں سے تاریخ کے بالکل ایک نئے باب میں داخل ہوتے ہیں، جنوبی حکومتیں چند سال تک برائے نام باقی رہیں لیکن دراصل دریائے تنگ بھدرا اور کرشنا کے جنوب کا تمام جزیرہ نما مسلمانوں کی پیش قدمی سے خوف زدہ ہو کر دو بھائیوں کی سرداری میں متحد ہو گیا جن کی پیدائش اور

---

[1] ایپی گرافیا انڈیکا جلد ۷ صفحہ ۱۲۸۔

حسب نسب کا حال نامعلوم ہے لیکن خطرے کے وقت ان کے بہادرانہ طرزِ عمل نے تمام ہندوؤں کو ان کے گرد مجتمع کر دیا، چند سال کے عرصے میں ان نئے سرداروں نے ایک سلطنت قائم کی اور جنوب کی تمام پرانی حکومتوں نے اس کی اطاعت اختیار کی، انھوں نے ایک بڑے شہر وجیانگر کی بنا ڈالی جو آیندہ اس سلطنت کا پائے تخت ہونے والا تھا اور غالباً ہندوؤں نے اس سے بڑا اور دولتمند شہر کبھی نہیں بسایا تھا، اس کے فرمانرواؤں نے مسلمانوں کا دو صدی تک مقابلہ کیا۔

ان بھائیوں کے نام ہری ہر اور بکا تھے کہتے ہیں کہ مشہور ودیا رنیا ان کا مددگار تھا اور آخر ان کا وزیر بن گیا تھا۔[۱] وجیانگر کے حکمرانوں نے بجائے راجہ کے اپنا لقب کنڑی زبان میں رایا مقرر کیا کیونکہ وہ خود نسباً کنڑی تھے اور کنڑی ملک میں ان کا دارالسلطنت واقع تھا۔ ۴۴۳

سنہ ۱۳۴۴ء میں مسلمانوں کے ایک لشکر نے اس چند روزہ حکومت سے ایسی فاش شکست کھائی کہ مورخ فرشتہ لکھتا ہے کہ کچھ عرصے کیلئے دیوگری کے علاوہ دکن کے تمام مقبوضات شہنشاہِ دہلی کے ہاتھ سے نکل گئے، وہ بیان کرتا ہے کہ ہندوؤں نے یہ زبردست مقابلہ ورنگل کے تلنگوں اور میسور کے ہوی سالوں کے اتحاد سے کیا اس میں دونوں خاندانوں کا ایک ایک شہزادہ سردار تھا، ورنگل مسلمانوں سے چھین لیا گیا۔ اور وجیانگر کا بانی بھی ایک ہوی سال شہزادہ تھا۔

نئی سلطنت کو مسلمانوں کی اندرونی نااتفاقیوں سے بڑی تقویت پہنچی کیونکہ دکن کے مسلمانوں نے اس وقت دلّی کے خلاف بغاوت کی اور سنہ ۱۳۴۷ء میں گلبرگہ میں اپنی ایک علیحدہ سلطنت بہمنی قائم کی جو تقریباً ڈیڑھ سو برس تک قائم رہی اور وہی سلطنت اور اسی کے فرمانروا تھے

---

[۱] یہ امر یقینی معلوم ہوتا ہے کہ ودیا رنیا بکا کا مشیر تھا لیکن اس میں کسی قدر شبہ ہے کہ وہ بڑے بھائی ہری ہر کا بھی مشیر تھا۔

جو وجیانگر سے کہ اس وقت متحدہ جنوبی ریاستوں کی حیثیت رکھتا تھا ہمیشہ برسر پیکار رہنے حکومت ورنگل اس کے بعد کچھ عرصے تک باقی رہی لیکن محض برائے نام تھی اس کے شہزادے کو بہمنی سلطان نے سنہ ۱۳۷۱ع میں حملہ کیا اور اس کا سر قلم کرا دیا لیکن ملک کا قطعی الحاق گلبرگے سے سنہ ۱۴۲۴ع میں ہوا، کانچی کے کتبوں سے ثبوت ملتا ہے کہ چولا سنہ ۱۵۶۵ع میں وجیانگر میں بالکل ضم ہو گئے۔ اور قدیم پانڈوی دار السلطنت مدرا میں پھر ہندوؤں کی حکومت قائم ہوئی اس کو بکا رایا کے بھتیجے کامپانہ دوم نے بحال کیا (اپی گرافیا انڈیکا جلد ۶ صفحہ ۳۲۴ و آئندہ) اس کے بعد سے مدرا بھی وجیانگر کا ایک صوبہ بن گیا ؎

ہندوؤں اور ان کے حملہ آوروں کے محاربات عظیم میں سے پہلی جنگ سنہ ۱۳۶۶ع میں شروع ہوئی اس میں سلطان محمد شاہ بہمنی نے پیشدستی کی وہ شروع میں مدگل واقع دوآبہ رایچور میں روکا گیا لیکن آخر کار اس نے وجیانگر کے بکا کو شکست دی اور آخر الذکر ادھونی کو فرار ہو گیا جس پر سلطان نے حملہ کیا اس کے بعد ایک کھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں ہندو ہار گئے اور وجیانگر کا محاصرہ ہو گیا، محاصرے میں ناکامی ہوئی لیکن اس سے پیشتر کہ سلطان محمد شاہ شمال کی جانب واپس ہو اس نے ملک کو بیرحمی سے ویران اور باشندوں کو قتل کیا، محمد کے جانشین مجاہد نے پھر سنہ ۱۳۷۵ع میں جنگ کا اعلان کیا، ادھونی تسخیر اور وجیانگر دوبارہ محصور ہوا ہندوؤں نے وجیانگر کی نہایت تندہی سے حفاظت کی اور سلطان کی لاپروائی اس کے لیے مہلک ثابت ہوئی مگر وہ بال بال بچ گیا ؎ حملہ آور جب شہر میں داخل ہونے کا کوئی راستہ نہ بنا سکے تو ادھونی کو واپس ہو گئے اور جب وہاں بھی ناکام رہے تو وطن کا رخ کیا، سنہ ۱۳۷۸ع ۳۴۵
میں مجاہد قتل کر دیا گیا اور کچھ عرصے کے لئے امن ہو گیا، دوسرے سال بکا مر گیا اور اس کی جگہ اس کا بیٹا ہری ہر دوم مسند آرا ہوا ایک کتبے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس راجہ نے مسلمانوں کو گوا سے باہر کر دیا لیکن

اس کے سوا اس کے عہد کے متعلق بہت کم حال معلوم ہے، اس کے بعد ۱۳۹۹ء میں اس کا بیٹا بکا دوم تخت نشین ہوا جس نے اپنے باپ کی وفات سے ذرا قبل سلطان فیروز شاہ سے ایک تباہ کن شکست کھائی اور بھاگ کر وجیانگر میں پناہ لی تھی، بکا نے خراج دینا بند کر دیا لیکن اور ہر طرح امن کے ساتھ حکومت کی ۱۴۰۶ء میں دیو رایا اول تخت پر بیٹھا اور فوراً اپنی احمقانہ حرکت کی وجہ سے بہمنیوں سے جنگ چھیڑ دی وجہ یہ ہوئی کہ مدگل میں کسی کسان کی حسین لڑکی تھی جس کو اپنے محل میں داخل کرنا چاہتا تھا اس کوشش میں اس نے مسلمانوں کے علاقے پر چھاپا مارا، فیروز شاہ پھر کامیاب ہوا اور وجیانگر کو پھر ایک بار محصور ہونا پڑا، اس موقع پر رایا کو اس قدر تنگ اور مجبور کیا گیا کہ اس نے دشمن سے پیچھا چھڑانے کے لئے اپنی بیٹی سلطان بادشاہ کو بیاہ دی، فرشتہ لکھتا ہے کہ فیروز شاہ اپنے خسر سے بڑے اخلاق کے ساتھ پیش آیا اور اس نے ہندو شہر میں اس کے استقبال کی شان و شوکت کا حال بھی بیان کیا ہے۔

۱۴۱۹ء میں دیو رایا دوم کے عہد میں پھر جنگ ہوئی فیروز شاہ نے قلعہ پانگل کو جو سلطنت ورنگل کا تھا، سر کرنے کی کوشش کی، رایا نے اپنے ہم مذہب کی حمایت میں پیش قدمی کی اور مسلمانوں پر کامل فتح پائی، فیروز شاہ ۱۴۲۲ء میں فوت ہو گیا، اس کی جگہ احمد شاہ اول تخت پر بیٹھا، اس نے فوراً نہایت دلاوری کے ساتھ دیو رایا پر یورش کی اور ایسی کامیابی حاصل کی کہ ہندو پھر اپنے دارالسلطنت کو بھاگ گئے، کئی سال کا بقایا خراج ادا کرنے پر صلح ہوئی اور سلطان نے کلبرگے کو مراجعت کی، ورنگل کے کاکتیا خاندان کی کامل بربادی ۱۴۲۴ء[1] میں ہوئی جبکہ سلطنت بہمنی فاتحانہ طور سے مشرقی سمندر تک پہنچ گئی۔ وجیانگر کی حالت جو ۱۴۴۳ء میں تھی اس کا ایک واضح بیان ہمارے پاس موجود ہے اس کو ایک سفیر عبدالرزاق نے

---

[1] فرشتہ اس واقعے کو ۸۲۸ھ (مطابق سنہ ۱۴۲۴ء و ۱۴۲۵ء) کا بتاتا ہے۔

قلمبند کیا تھا جو ایران سے دیورایا دوم کے دربار میں بھیجا گیا تھا وہ ان خوفناک واقعات کو بھی بیان کرتا ہے جو اس وقت ظہور میں آئے جب بادشاہ کے بھائی نے بادشاہ کو قتل اور تخت حاصل کرنے کی کوشش کی۔

سنہ ۱۴۴۳ء میں دوآبہ رائچور کا متنازعہ فیہ علاقہ ایک قلیل عرصے کے لئے ایک مرتبہ پھر ہندوؤں کے قبضے میں چلا گیا اس کے بعد نصف صدی تک وجیانگر میں بہت نزاع و ابتری پھیلی رہی اور یہ اس وقت دور ہوئی جب
۳۴۶ نرا سمبھا وزیر نے ۱۴۸۶ء میں تخت غصب کر لیا، اس سے قبل مسلمانوں نے ریاست وجیانگر سے گوا اور کونکن اور اڑیسہ کے بادشاہ سے راج مندری اور کونداپلی کے علاقے چھین لئے یہ دونوں علاقے ورنگل کے زوال پر اڑیسہ کے بادشاہ نے حاصل کئے تھے۔ مذکور ہے کہ سلطان محمد شمال کی جانب پوری اور جنوب کی طرف کانچی تک بڑھا چلا گیا تھا، ابھی وہ کونداپلی میں تھا کہ سنہ ۱۴۸۱ء میں اس نے اپنے بے گناہ بوڑھے وزیر محمود گاواں کو قتل کرا دیا اس کے اس وحشیانہ فعل سے تمام امرا بگڑ گئے اور انھوں نے علم بغاوت بلند کیا اور اس طرح سے بہمنی خاندان کا خاتمہ ہوا اس بادشاہت کے کھنڈروں پر پانچ حکومتیں پانچ زبردست سرداروں کے تحت میں قائم ہوئیں اور اب رایا وجیانگر کو انہی سے واسطہ پڑا، یہ ریاستیں حسب ذیل تھیں۔ بیجاپور کی عادل شاہیہ، بیدر کی بریدشاہیہ، برار کی عماد شاہیہ، احمدنگر کی نظام شاہیہ، اور گولکنڈے کی قطب شاہیہ، عادل شاہ نے سنہ ۱۴۸۹ء میں اپنی خودمختاری کا اعلان کیا اور بہت جلد وجیانگر سے ایک تازہ جنگ شروع ہوئی جس کی وجہ یہ تھی کہ رایا نرا سمبھا نے دوآبہ رائچور چھین لیا تھا جو دوبارہ مسلمانوں کے قبضے میں جا چکا تھا، سنہ ۱۴۹۳ء کی معرکہ آرائی میں ہندو دوآبے سے نکال دیئے گئے۔ اس موقع پر پرتگیز داسکو ڈی گاما کے تحت میں نمودار ہوئے اور جلد گوا اور دیگر مقامات پر مسلط ہو گئے ۱۵۰۹ء میں وجیانگر کا سب سے زبردست راجہ کرشن دیو رایہ تخت آرائے سلطنت ہوا وہ پرتگیزوں پر مہربان تھا اس کی خواہش تھی کہ ان کے ذریعے ایرانی

اور عربی گھوڑے فراہم کرے جو پرتگیزی جہازوں میں آتے تھے اور اپنے دشمنوں کو اس نعمت سے محروم رکھے۔ ۱۵۱۳ء میں کرشن دیو نے مکمل تیاری کر کے فتوحات پر کمر باندھی، میسور کی بغاوت فرو کرنے کے بعد اول اس کو یہ خیال ہوا کہ مشرقی ساحل پر بہت سے علاقوں کو فتح کر کے اپنی قوت کو مستحکم کرے ان مقامات میں سے چند تو شاہ اڑیسہ نے فتح کر لئے تھے اور کچھ سلطان گولکنڈہ کے تسلط میں تھے، معلوم ہوتا ہے کہ اس ارادے میں اس کو پوری کامیابی ہوئی اور باوجود ان تمام اختلافات کے جو ہم اس کے متعلق مسلمان مورخوں میں پاتے ہیں، گولکنڈے کے مقابلے میں زیادہ شواہد راجہ کی کامیابی پر دال ہیں ۱۵۲۰ء میں کرشن دیو نے عادل شاہ کی فوجوں پر ایک زبردست حملے کی تیاری کی اور فوج لے کر دوآبہ رائچور میں اتر گیا پرتگیزی وقائع نگار رینوتز جو ایک عینی شاہد معلوم ہوتا ہے بیان کرتا ہے کہ راجہ کی فوج میں سات لاکھ جنگ جو تھے اس نے عادل شاہ کو ایک سخت لڑائی میں ہزیمت دی اور رائچور پر قبضہ کر لیا۔

کرشن دیو ۱۵۲۹ء یا ۱۵۳۰ء میں مر گیا اس کی جگہ اچیوت دیو ۳۴۷
ایک کمزور مگر ظالم شہزادہ تخت پر بیٹھا، اس کے تخت نشین ہوتے ہی ہندوؤں کو زوال شروع ہوا، دوآبہ رائچور ان کے ہاتھ سے نکل گیا اور چند سال بعد عادل شاہ نے راجہ کو اس کے پایۂ تخت میں محصور کر لیا، اس نے زر کثیر ادا کر کے صلح حاصل کی، اچیوت دیو ۱۵۴۲ء میں فوت ہو گیا اور سلطنت رام راج، ترمل اور وینکٹادری تین طاقتور بھائیوں کے ہاتھ میں چلی گئی جنہوں نے سلطنت کے اصلی وارث سداشیو کو قید رکھا اور خود اس کے بجائے حکومت کرتے رہے۔ چند سال کے پر آشوب زمانے کے بعد جس میں دکن کے مسلمان سلطان ایک دوسرے کا گلا گھونٹنے کی کوشش کرتے رہے اور ہر ایک نے باری باری سے اپنے حریف کے خلاف وجیانگر سے مدد حاصل کرنے کی کوشش کی، ہندو سلطنت کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا، رام راجا کے تکبر و نخوت نے اس کی ہمسایہ بادشاہتوں کو اس قدر

برہم کیا کہ دکن کے پانچوں سلطان اپنے تفرقے کو نظر انداز کر کے اپنے مشترک دشمن کے خلاف متحد ہونے پر رضامند ہو گئے، جنوری ۱۵۶۵ء میں تنگ بھدرا کے شمال میں دارالسلطنت کے قریب ایک مقام پر متحدہ فوجیں ہندو لشکر کے مقابل صف آرا ہوئیں اس مقام کو عام طور پر تالی کوٹ کہتے ہیں حالانکہ یہ میدان جنگ سے پچیس ۲۵ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ اتحادیوں کو بہ عجلت فتح ہوئی، رام رایا گرفتار ہو کر مارا گیا اور چند مستند بیانوں کے مطابق وینکاٹادری نے بھی میدان جنگ میں جان دے دی لیکن یہ امر مشتبہ ہے۔ ترکل وجیانگر کو بھاگ غنیم نے بھی سخت پیچھا کیا، شاہی خاندان کے لوگوں نے تمام زر و جواہر جو کچھ ان کے ہاتھ لگا اکھٹا کیا اور شہر چھوڑ کر جنوب کی جانب پینوکونڈہ کو فرار ہو گئے۔ لڑائی کے بعد تین دن کے اندر مسلمان فوج غیر محفوظ شہر میں داخل ہوئی اور وہاں چھ مہینے قیام کیا، تمام شاہی محلات منہدم کر دیے[۵۱] گئے اور شہر کو اس طرح تباہ و برباد کیا کہ وہ اس وقت سے ایک کھنڈر[۵۲] پڑا ہے اور اس طرح آخری ہندو مدافعانہ قوت کا خاتمہ ہوا۔

نتیجہ

وجیانگر کی تسخیر و تباہی کے بعد مسلمان ریاستوں کے باہمی نفاق اور حسد نے ان کو متفقہ عمل و کوشش سے باز رکھا، اور کئی سال تک جنوب کی فتح کی تکمیل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اس زمانے میں وجیانگر کے

---

۵۱ ڈاکٹر سید علی بلگرامی نے ثابت کیا ہے کہ بیجانگر سے مفرور ہوتے ہوئے ہندوؤں نے خود ہی شہر میں آگ لگا دی کہ مسلمان اُنکی عمارتوں سے متمتع نہوں؛
گوشت خاک ماہم برباد رفتہ باشد؛

۵۲ ان کھنڈروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہیں کیسا شاندار اور عظیم الشان شہر آباد تھا ۱۲ -

فرمانرواؤں کے نمائندوں نے پہلے پینو کونڈا میں اور بعد کو ذرا اور جنوب کی جانب چندرگری میں پناہ لی اور مسلسل ایک صدی تک ہندو سیادت و سرداری کو قائم رکھا اور انہی کے ایک صوبہ دار سے انگریزی کمپنی نے ۱۶۳۹ء میں ۳۴۸
مدراس میں ایک قطعۂ زمین کی منظوری حاصل کی لیکن ان لوگوں کی سیادت برائے نام تھی، اور ان کے صوبوں کے حکام (جن کو وقتاً فوقتاً نائب السلطنت (وائسرائے) کے خطاب سے اعزاز بخشا جاتا تھا) اور دیگر مقامی سردار بہت جلد خود مختار بن بیٹھے، ان میں سب سے زیادہ طاقتور مدرا کے نائک اور میسور کے وڈیار تھے لیکن ان کے علاوہ بہت سے چھوٹے چھوٹے سردار بھی تھے جو پالی گار کہلاتے تھے۔

اس اثناء میں بیجاپور اور گولکنڈے کے مسلمان بادشاہوں نے کرناٹک خاص (یا بالاگھاٹ) اور گھاٹوں کے جنوبی علاقوں میں اپنی طاقت کو وسعت دینا شروع کیا لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی فتوحات کو مضبوط و مستقل کریں وہ خود ۱۶۸۷ء میں شہنشاہ اورنگ زیب سے مغلوب ہوگئے۔ گولکنڈے کے مقبوضات ایک صوبہ دار دکن کی سیادت میں ایک نواب کرناٹک کے ماتحت رکھے گئے۔ کرناٹک کا پایۂ تخت ارکاٹ تھا۔ بیجاپور کے علاقوں پر قبضہ مستقل نہ ہوا۔ چونکہ ان کو مرہٹہ سپہ سالاروں نے فتح کیا تھا انکی حیثیت مرہٹہ ریاست تنجور سے زیادہ نہ رہی اور وہ بعد کو مرہٹہ یورشوں کا سبب ہوئے۔ مدرا کی ہندو حکومت ۱۷۳۶ء تک قائم رہی اور میسور کی ۱۷۶۱ء تک، تنجور اپنے نائک کے زیر فرمان تقریباً ۱۶۷۴ء تک رہا جبکہ سیواجی کے بھائی ایکوجی نے اُسے فتح کیا اور سیواجی نے بذات خود گوٹی، ولور اور اُن کے علاقوں پر قبضہ کیا، ایکوجی کی اولاد ۱۷۹۹ء تک تنجور میں حکمراں رہی۔ ۱۷۶۱ء میں حیدر علی نے میسور کو فتح کیا اور یہ علاقہ ۱۷۹۹ء یعنی ٹیپو سلطان کے انتقال تک مسلمانوں کے زیر حکومت رہا اسکے بعد تمام جنوبی ہند کی سیادت عملی طور پر برطانیہ کے ہاتھ میں آگئی۔

تمت

ضمیمہ متعلق باب ۸

ماخذ

کننگھم صاحب کی رپورٹیں متعلق آثار قدیمہ ایک مخزن معلومات ہیں مگر کسی قدر بے ترتیب ہیں اور معلومات میں ہمیشہ صحت بھی نہیں پائی جاتی ہے۔ وِنسنٹ اے۔ اسمتھ کا اشاریہ جو ان رپورٹوں کے متعلق ہے اس میں مندرجہ بالا حوالے موجود ہیں۔ عہد وسطیٰ کی تاریخ کے متعلق سب سے زیادہ قابل غور پہلی۔ دوسری۔ تیسری۔ چھٹی۔ ساتویں۔ نویں۔ دسویں۔ گیارھویں۔ سترھویں اور اکیسویں جلدیں ہیں۔ رسالہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی صد سالہ جلد میں ایک مقالہ متعلقہ دستوں کی ہے اور رڈف صاحب کی کتاب "سنین ہند" میں حوالے ان خاص مضامین کے دیئے گئے ہیں جو کتاب ایپیگرافیا انڈکا اور انڈین انٹی کوری اور ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بمبئی۔ لندن۔ وائنا کے رسالوں میں تحریر ہوئے ہیں۔ اس میں شاہی خاندانوں کے نسب نامے بھی ہیں۔ سکوں کی نسبت دیکھو کننگھم صاحب کی کتاب ہند عہد وسطیٰ کے سکے اور حوالہ جات جو راپسن کی کتاب ہندی سکوں میں بیان ہوئے ہیں۔ ذیل کے ملکوں کے بارے میں خاص خاص کتابیں ہیں۔

گجرات۔ فاربس صاحب کا راس مالا اور بمبئی گزیٹیر تاریخ گجرات جلد ایک حصہ ایک۔ نیز بوہلر (Buhler) کی کتاب "Ueber das Leben des Taina-Monches Hemachandra"

کشمیر اور اردگرد کی ریاستیں۔ اسٹائن صاحب کی ایڈیٹ کی ہوئی کتاب۔ راجہ ترنگنی اور اس کا ترجمہ اور اسٹائن صاحب کی کتاب

"Zur Geschichte der Sahi von Kabul"

کماؤں۔ اٹکن سن صاحب کی تحریر مندرجہ گزیٹیر بابتہ ممالک مغربی و شمالی جلد گیارہ حصہ دوم۔

نیپال - رائٹ صاحب کی تاریخ نیپال - بھگوان لال اندراجی اور بوہلر کی کتاب "نیپال کے کتبے" اور بنڈال صاحب کی "تاریخ نیپال" جو رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال بابتہ سنہ ۱۹۰۳ء میں شائع ہوئی، نیز دیکھو ایس لیوی کی کتاب "نیپال" -

اودھ - اودھ گزیٹیر پر بینٹ صاحب کا لکھا ہوا دیباچہ پروفیسر کائیل یارن نے ایک فہرست سات سو کتبوں کی جو شمالی ہند سے حاصل کیئے گئے کتاب اپیگرافیا انڈکا کی پانچویں جلد کے ضمیمے میں دی ہے لیکن یہ کل کتبات اُسی زمانے کے ہیں جس سے ہم کو یہاں بحث ہے نہیں ہیں۔

ذاتوں کی تاریخ پر یہ کتابیں خاص ہیں۔ نسفیلڈ کی کتاب "ممالک مغربی وشمالی واودھ میں ذاتوں کا سلسلہ" ایبٹسن صاحب کی کتاب "علم الانسان کے لحاظ سے اہل پنجاب کے حالات" اور گیٹ صاحب کی کتاب رپورٹ مردم شماری بنگال بابتہ ۱۹۰۱ حصۂ اول جلد ششم۔ راجپوتوں کی اصل کے متعلق علاوہ گجرات گزیٹیر اور ایبٹسن کی کتاب کے جو اوپر بیان ہوئی دیکھو ایلیٹ صاحب کی کتاب "ممالک مغربی وشمالی کی اقوام"۔ کروک صاحب کی کتاب "ممالک مغربی وشمالی کی قومیں وذاتیں" اور کتاب "راجپوتانہ گزیٹیر" نیز دیکھو ڈاکٹر ہرنل کے مضامین جو ہند قدیم کے چند مسائل پر لکھے گئے ہیں۔ اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رسالہ (بابتہ سنہ ۱۹۰۲ء) میں شائع ہوئے ہیں صفحہ ۵۴۵ - نیز رسالہ بابتہ ۱۹۰۴ صفحہ ۶۳۹ اور رسالہ بابتہ ۱۹۰۵ صفحہ ۱- اس مضمون پر یہ تحریریں نہایت قیمتی ہیں لیکن ابھی یہ مضمون بالکل ختم نہیں ہوا ہے۔ ٹاڈ صاحب کی کتاب راجستان کی بنیاد اسناد مابعد پر رکھی گئی ہے۔ اور سنہ ۱۲۰۰ء سے پیشتر کی جو باتیں اُس میں لکھی ہیں وہ زیادہ وقعت نہیں رکھتیں

مذاہب ہند - کی کتاب مصنفۂ بارتھ صاحب - نیو ہندوازم (جدید مذہب ہنود) پر ایک عمدہ کتاب ہے - ہاپکنز کی کتاب مذاہب ہند عہد ویدک - اور اپیکس کیلئے عمدہ کتاب ہے لیکن جہاں مصنف نے ہند و مذہب سے بحث کی ہے وہاں حقیقت سے دور ہو گیا ہے۔ سنہ ۱۲۰۰ء کے بعد بدھ مذہب کی علامتیں دیکھنے کے لیئے دیکھو رسالہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال جلد ۶۴ سنہ ۱۸۹۵ء کے صفحات ۵۵ تا ۶۸۔

مسلمان مصنفوں کی مستند کتابوں کے لیئے جو اُس زمانے سے تعلق رکھتی ہیں دیکھو البیرونی کا ہندوستان (ترجمۂ ساخو) الیٹ کی تاریخ ہند جلد یکم و دوم - برگز کا فرشتہ اور ڈاؤ کی "تاریخ ہندوستان" چند واقعات رینا ؤ کی کتاب "Relations des Voyages etc" اور اُس کی تصنیف "Fragments arabes et persons relatifs a' L' Inde" میں بھی مذکور ہیں - لاسن کی انسائیکلوپیڈیا جلد سوم - اس میں کُل ایسے واقعات جو اس مضمون کے متعلق اُنیسویں صدی کے وسط میں معلوم تھے درج ہیں - اور مسٹر وی - اے - اسمتھ کی کتاب "قدیم تاریخ ہند" میں ہماری موجودہ معلومات کا خلاصہ دیا ہوا ہے - ڈاکٹر ہرنل کے مضامین کی طرف بھی توجہ دلانا چاہتا ہوں جو رسالہ رایل ایشیاٹک سوسائٹی بابتہ ۱۹۰۳ و ۱۹۰۴ و ۱۹۰۵ میں چھپے ہیں - اُن مضامین میں ڈاکٹر ہرنل نے قدیم تاریخ کی شکل اپنے خیال کے مطابق دوبارہ قائم کی ہے - اور اُس کو واقعات کے علم سے مزین کیا ہے - مضمون حاضرہ بدقسمتی سے ڈاکٹر ہرنل کے مضامین کے شائع ہونے سے پہلے لکھا گیا - لیکن راجپوتوں میں گوجروں کا میل ہو جانے کے متعلق جو کچھ بھی ہمارے خیالات ہوں اس میں شک نہیں کہ شمالی ہندوستان میں آٹھویں یا نویں صدی عیسوی میں کوئی شہنشاہی گورجیارا کی نہ تھی - شہنشاہی خطابات کے اختیار کرنے سے یہ مطلب نہیں نکل سکتا کہ شہنشاہی اختیارات بھی حاصل تھے - لیکن ڈاکٹر ہرنل کے گورجیارا شہنشاہ محض راجگان قنوج ہیں جنکا سلسلہ راجہ بھوج اول سے چلتا ہے - ان راجاؤں کے اختیارات بہت محدود تھے - ڈاکٹر ہرنل بھوج کے گمنام مورثان اعلیٰ کی اصل راجپوتانے سے بتاتے ہیں -

تمت

صحت نامہ کتاب امپیریل گزیٹر

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۴	۳۱	تکمیہ	تکیہ	۲۳	۱۷	سیتھوں	سیتھیون
۵	۲۳	پھوٹے	جھوٹے	۲۴	۲۱	رمینوں میں	رمینون
۶	۲۱	افعیات	افسانیات	۳۵	۲۳	ظلیب	ظلیٹ
۷	۲۱	ذواد	تواہ	"	۲۰	قوت کو بڑھایا	قوت کو اسطرح بڑھایا کہ
۹	۲	روایات	روایت	"	۲۱	شکست دینے	شکست دی
۱۲	۵	۳۰۳	۹۰۲	۳۷	۱۱	ایک حکومت	اس حکومت
۱۵	۶	بتارہا	بنارہا	۳۸	۱۱	اعتراف ہے	اعتراف ہیں
۱۶	۳	مندر	یہ مندر	۴۱	۱۱	سینا	سنیا
۲۱	۲۱	گئی تھی اسی نئی	گئی تھی (۲) نئی تہذیب	۵۱	۲۲	ہے بلیہ	ہے بید
۲۲	۱۹	۱۰۰۰-۱۱۳۵	۱۰۰۰-۱۰۳۵	۵۴	۲	یا دوراجہ	یا دوراجہ